رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۶۹۱

اللہ اکبر

مصوّر مجلّہ

عالمگیر

لاہور

رئیس التحریر

حافظ محمد عالم

قیمت فی پرچہ ۵/

قیمت سالانہ ۴ روپے

حافظ محمد عالم پرنٹر و پبلشر نے کواپریٹو سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور سے شائع کیا





بہترین عطر اور تیل

اگر آپ کو

نہایت اعلیٰ اور مفید روغنیات اور عطریات وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ہمارے کارخانہ "بہارستان" حلقہ نمبر ۲۱ لاہور سے طلب فرمائیے ہمارے نرخ دوسروں سے ارزاں اور تیل و عطریات دوسروں سے بہتر اور مفید ہیں۔ قیمتیں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

تیلوں کے نرخ

نام روغن	درجہ	بوتل سالم	بوتل نصف	نام روغن	درجہ	بوتل سالم	بوتل نصف
روغن گلاب	خاص	لے	ہے	روغن مولسری	خاص	ے	ہے
روغن چنبیلی	″	ے	ہے	روغن حسن عنبری	″	ے	ہے
روغن کیوڑہ	″	ے	ہے	روغن گرنا	″	ے	ہے
روغن موتیا	″	ے	ہے	روغن جوہی	″	ے	ہے
روغن حنا	″	للعہ	عا	روغن فلاور آئل	″	ے	ہے
روغن حسینا	″	للعہ	عا	روغن نرسہلا	″	للعہ	عا
روغن ہار سنگھار	″	ے	ہے	روغن آملہ	″	للعہ	عا

عطروں کے نرخ

نام عطر	فی تولہ درجہ اول	فی تولہ درجہ دوم
عطر کیوڑہ	عا	عہ
عطر موتیا	عا	عہ
عطر حنا	عا	عہ
مشک عنبر	عا	عہ
عطر چنبیلی	عا	عہ
عطر نرگس	عا	عہ
عطر جوہی	عا	عہ
عطر حسن	عا	عہ
عطر مولسری	عا	عہ
عطر ہار سنگھار	عا	عہ
عطر گرنا	عا	عہ
عطر کستوری	عا	عہ
عطر بازدی	عا	عہ
عطر گلاب	عہ	عہ

ملنے کا پتہ بہارستان حلقہ نمبر ۲۱ لاہور

عالمگیر

فہرست مضامین

جلد ۳ || بابت ماہ جمادی الاول مطابق اکتوبر ۱۹۲۵ء || نمبر ۵

تصویر:۔ حسن بے بصر

ملاحظات

عالمگیر کے محترم ناظرین یہ دیکھ کر بہت خوش ہونگے کہ اب ان کا عالمگیر روز بروز ملک کے سربرآوردہ باکمال ادیبوں اور شاعروں کے افکار عالیہ سے لبریز ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نمبر میں بعض ایسے مضمون نگاروں کے نام نظر آئینگے، جو اگرچہ دنیائے ادب میں شہرت کے بہترین مدارج طے کر چکے ہیں۔ مگر ناظرین عالمگیر کے لئے بالکل نئے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے، ہمیں ان حضرات کا ممنونِ احسان ہونا چاہئے۔ جن کی کرمفرمائیوں کی بدولت عالمگیر کا یہ نمبر "داماں باغبان وکف گلفروش" بن کر نظر افروز ہو رہا ہے یا اپنے اُن ناظرین کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ جن کے ذوقِ علمی کی دلی توجہ نے ہمیں اپنے فرض ادارت میں بیش از بیش کوششوں پر آمادہ کیا۔ کچھ بھی ہو، ان تازہ واردان بساط عالمگیر کا نہایت مسرت سے خیر مقدم ہونا چاہتے ع اے آمدنت باعث آبادی ما

کلام عاشق۔ جناب صاحبزادہ احمد سعید خاں صاحب عاشق ٹونکی جانشین داغ کا اسم گرامی اگرچہ دنیائے صحافت میں ایک حد تک محتاج تعارف ہے لیکن اس سے باہر عام طور پر ان کی اُستادی اور مہارتِ فن کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی جاں فروز شاعری کی شوخ تریں خصوصیت معاملہ گوئی ہے۔ جو ان کے اُستاد مرحوم کا بھی ایک امتیازی جوہر مانا جاتا ہے۔ یہی خصوصیت تھی، جس نے حضرت عاشق کو داغ مرحوم کے نزدیک ایک امتیازی بامِ عروج پر پہنچا رکھا تھا۔ امید ہے حضرتِ عاشق عالمگیر پر ہمیشہ عنایت کی نظر رکھینگے ع قربان نگاہِ تو شوم باز نگاہے

شکستِ حُسن۔ آخر کار ہم جناب محمد ضیاء الدین صاحب شمسی کا وہ گرامی قدر افسانہ پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں، جس کا قارئین کرام کمال بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ اس "قاتل عنوان" کے تحت میں جذبات و واقعات کے کیسے کیسے دلدوز تیر و نشتر جمع کئے گئے ہیں۔ مطالعہ کے بعد اندازہ ہو سکیگا۔ ہم زیادہ تعریف اس لئے نہیں کرتے، کہ اپنے محترم فسانہ نگار کو ع کہیں میری نظر نہ لگ جائے

شاعر کے عنوان سے جناب سیّد عابد علی صاحب عابد بی۔ اے۔ ایل۔ بی کا جو مُسدّس ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ لکھنے والے کے پاکیزہ ترین ذوقِ ادبی کا دلکش نمونہ اور نزاکت تخیّل کی ممتاز تصویر ہے۔ بالخصوص نظم کا آغاز جن سحر نگاریوں کا حامل ہے، اور جس خوبصورتی سے اصل موضوعِ سخن کی طرف قدم بڑھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اُس کی داد نہیں دی جا سکتی ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

حُسنِ بے بصر کے عنوان سے ایک دلکش تصویر اس اشاعت میں باصرہ نواز ہوتی ہے۔ جو نقاش کی ندرت ذوق و تخیّل اور نزاکتِ نقش و نگار کا بہترین اور شاندار نتیجہ ہے ہم خود اس تصویر کی مدح توصیف سے عہدہ برآ ہونا پسند نہیں کرتے۔ البتہ قارئین کرام سے اتنا پوچھنا ضروری سمجھتے ہیں، کہ کبھی ایسی تصویر ان رسالوں نے بھی پیش کی ہے، جن کے ایڈیٹر اپنے تئیں آرٹ کا ماہر اور مبصّر سمجھنے اور اظہار کرنے میں کبھی اور کسی حال میں نہیں تھکتے۔

اس تصویر پر جناب ابوالمعانی کی نظم شائع کی جاتی ہے۔ جو بڑی حد تک مصوّر کے خیالات کی آئینہ دار ہے۔ اس نظم کے علاوہ اسی اشاعت میں آپ کے افکارِ جمیل کا ایک اور شگفتہ نمونہ بھی زیب نظر ہوتا ہے۔ جس کا عنوان "کلیاں" ہے۔ عالمگیر کی خوش قسمتی ہے کہ موصوف نے آئندہ بھی توجہ فرمائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کے لئے ہم ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں۔

غزل نظیر۔ جناب اصغر حسین خاں صاحب نظیر لدھیانوی کا پنجاب کے خوشگو شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ قومی شاعری میں ان کے قلم نے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس نمبر میں آپ ایک غزل گو کی شان میں نظر آتے ہیں۔ ہم ان کی توجہ فرمائی کے از حد شکر گزار ہیں۔

غزل سیفی۔ ابوالاعجاز جناب سیفی سہاروی کا کلام جذبات لطیف کا گنجینہ ہونیکے علاوہ لطافت زبان و بیان کا بھی آئینہ ہوتا ہے۔ عالمگیر کی یہ اشاعت آپکی ایک پاکیزہ غزل سے مفتخر ہے۔ جسکے لئے ہم انکے ممنون ہیں۔

مخبری۔ جناب حسن عزیز صاحب جاوید کا ایک افسانہ گزشتہ اشاعت میں بعنوان "شیر کا شکار" ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس نمبر میں آپ کا ایک اور افسانہ مخبری شریکِ اشاعت ہے یقین ہے کہ موصوف ہمیشہ عالمگیر کو یاد رکھینگے۔ عالمگیر کو ان کی لطافتِ بیان بہت پسند ہے۔

طلائی طاؤس کے عنوان سے حضرت شمیم بلہوری کا جو افسانہ مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ افسوس ہے بعض وجوہ سے اس نمبر میں اس کی قسط نہیں دی جا سکی۔ انشاء اللہ آئندہ نمبر سے باقاعدہ شائع ہوتا رہیگا۔

اگلے نمبر کا بیصبری سے انتظار کیجئے! کیونکہ اس میں جناب ابو المعانی اختر شیرانی کا ایک دلکش ادبی مضمون نظر افروز ہوگا۔ جس کی لطیف انشاء بہترین ادب طرازی کی حامل ہے۔

مُلک کے مایۂ ناز افسانہ نگار حضرت رفیعی اجمیری کا ایک دلاویز افسانہ بعنوان "کارنمایاں" شائع ہوگا۔ جس کی فسوں پردازی کے آپ یقیناً معترف ہو جائینگے۔

سیّد عبد السبحان صاحب ناظر الہ آبادی کی ایک دلچسپ تحریر "خسرو باغ" حضرت عندلیب شادانی کی ایک نیچرل نظم "گلگشت صحن باغ شب ماہتاب میں" اور محترمہ وحید النساء بیگم صاحبہ وحید کی ایک دلکش نظم بعنوان "خراب آرزو" شائع ہوگی۔ مسٹر روشن لال نیرؔ بنگالی کا لطیف مضمون "پہلی جھلک" بھی اسی اشاعت میں نظارہ نواز ہوگا۔

ان کے علاوہ جناب مولنا ناؔدی بی۔ اے مچھلی شہری، ابو الاعجاز حضرت سیفیؔ، حضرت عاشقؔ مدظلہ، اور اُستاد کیفؔ وغیرہ وغیرہ حضرات کا رُوح افروز کلام بھی شائع ہوگا۔

ان مواعید کے اظہار کے بعد ہم اپنے ان کرمفرما معاونین کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جن کی مساعی جمیلہ ہمیشہ عالمگیر کی اشاعت میں اضافہ کرنے پر آمادۂ کار رہی ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ہم اپنے ان مہربانوں کو انکا وہ فرض "توسیعِ اشاعت" یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو حقیقتاً ان کی توجہ کا محتاج ہے۔ مگر اب تک انکی فراموشکاری کا ایک ورق بنا ہوا ہے ہم عالمگیر کو اُردو زبان کا بہترین معیاری رسالہ بنانے میں کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھتے تو کیا آپکی علم و ادب نوازی کا یہ نصب العین نہیں ہونا چاہئے؟ کہ آپ اِک ذراسی توجہ سے کام لیکر اپنے حلقۂ احباب میں اسکی اشاعت کی کوشش فرمائیں۔

دِل کی قیمت اِک نگاہِ ناز ہے
آگے جو آئے ترے ایمان میں

حافظ محمد عالم عفی عنہ

شاعر

ابھی سرد تھا انجمستانِ فطرت ابھی داغ تھے زیبِ دامانِ فطرت
بیاباں نما تھا خیابانِ فطرت خزاں آشنا تھا گلستانِ فطرت

ابھی آفرینش کا دن اوّلیں تھا
ابھی ماہ یوں راہ پیما نہیں تھا

نہ تھے جلوہ گر چرخ پر یوں ستارے نہ تھے نور واں موجِ تابش کی دھارے
نہ تھے مہرِ گردوں کے روشن شرارے نہاں تھے یہ سب حسن کے ماہ پارے

ابھی کہکشاں جلوہ گستر نہیں تھی
ازل میں تو ہو گی فلک پر نہیں تھی

صدف تھا مگر اس میں گوہر نہیں تھا گلوں کے لئے کیسۂ زر نہیں تھا
دلِ عشق تھا اور مضطر نہیں تھا محبت کا جوہر میسر نہیں تھا

فضائیں تبسم سے نا آشنا تھیں!
ہوائیں ترنم سے نا آشنا تھیں

سیاہی میں شب کی لطافت نہیں تھی چمکنے کی بجلی کو عادت نہیں تھی

غم عاشقی کی مصیبت نہیں تھی مصیبت میں پنہاں مسرت نہیں تھی
نہاں آنکھ میں اشکِ خوں تھا ابھی تک
سکوں پردہ دارِ جنوں تھا ابھی تک

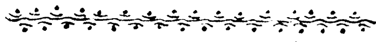
کہ فطرت نے اجزائے عالم پہ چھڑکا وہ پانی کہ اکسیر ہے نام جس کا
تپش ہو گئی روحِ فطرت میں پیدا ہر اک شے سے ذوقِ نظر پھوٹ نکلا
محبت در آغوش نکلا ہے شاعر
مئے غم سے بیہوش نکلا ہے شاعر

کتابِ محبت کی تفسیر شاعر گلِ حسنِ فطرت کی تصویر شاعر
ضیائے لطافت کی تنویر شاعر ہر اک خوابِ عشرت کی تعبیر شاعر
مصیبت میں ہے اور مسرور ہے وہ
شرابِ تخیل سے مخمور ہے وہ!

ہوا حکم جاری دمِ آفرینش اٹھائے وہ بارِ غمِ آفرینش
نگاہوں میں اس کی نمِ آفرینش دلِ مضطرب میں سمِ آفرینش
وفا کے فسانوں پہ خوں رونے والا
محبت کی آغوش میں سونے والا

عابد

منظرِ مصیبت



گذشتہ سے پیوستہ

"پروردگار" میں نے یکایک چیخ کر کہا۔ "ہائے۔ اسد... میرا روحِ روان... راحتِ جان... اسد ..... اسد کہاں ہے..."

"حضور.... وہ تو...... ہوگیا... اللہ مغفرت کرے..." جہانگیر نے میرے کان کے پاس حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے کہا... مگر طوفان کا قیامت زا شور اس غضب کا تھا۔ کہ اس کی یہ چیخ بھی مجھے بہت آہستہ سنائی دی۔

میں تشنجی انداز سے کفِ افسوس ملنے لگا... آہ... اسد غرق ہو جائے..... اور میں اس کا ماتم سنانے کے لئے زندہ رہوں..... "خبردار...... دیکھئے..." جہانگیر نے پھر چیخ کر کہا..." دوسرا ریلا آتا ہے..." میں مڑا.... ایک بلا کی مہیب موج ہم لوگوں کیطرف سرعت سے آتی ہوئی معلوم ہوئی... مجھے یہی یقین ہوا.... کہ وہ ہم سب کو غرق کر دے گی... مگر میں اس جان لیوا مہیب نظارہ کا اس طرح مشاہدہ کرنے لگا ..... جس طرح آدمی دمِ نزع کسی عجیب چیز کو دیکھنے کے لئے عارضی طور پر آنکھیں کھول کر نظارہ کرلے ..... اس بلاخیز طوفان کے جھاگ اور گرداب آفریں حلقوں کی بھرمار میں ماہتاب کی روشنی قریب قریب معدوم تھی... لیکن پھر بھی اس برف کی چٹان کے وسط میں ایک ہلکی سی ناقابلِ محسوس روشنی نظر آرہی تھی... میں نے دیکھا... کہ کوئی سیاہ سی چیز متحرک معلوم ہوتی ہے۔ جو غالباً تباہ شدہ کشتی کا کوئی جزو تھا...

موج ہم پر آگئی..... کشتی قریب قریب پانی سے لبریز ہوگئی۔ مگر اس میں پانی نکلنے کے قانون کا انتظام بہمہ وجود مکمل تھا.... اس لئے گوشوں سے پانی نکل جانے کے بعد بھی زیریں حصہ پانی سے پر تھا.. میں اس عالمِ یاس میں بھی اس شخص کو دعائیں دینے لگا۔ جس کے دماغ نے فوری تباہی سے بچنے کی یہ ترکیب اختراع کی .... ہماری کشتی موج کے زور میں اوپر اٹھ گئی.... اس شور و جھاگ کے درمیان مجھے وہی سیاہ چیز بلا کی سرعت سے اپنی طرف بڑھتی ہوئی معلوم ہوئی.. میں نے فوراً اپنا داہنا ہاتھ اس کو سامنے سے ہٹانے کے لئے بڑھایا۔ مگر

میرا ہاتھ ایک دوسرے ہاتھ پر پڑا ... اور میری انگلیوں نے قطرتاً کسی کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا مجھے اعتراف ہے ... کہ میں ایک مضبوط و طاقتور جسم کا آدمی ہوں ..... مگر اس جگہ مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ طوفان کے زور میں اس جسم کا بوجھ میرے لئے اس درجہ گران ثابت ہوا۔ کہ اگر طوفانی زور دو سیکنڈ بھی زور سے رہتا .. تو صرف دو صورتیں تھیں ... یا تو مجھے اس جسم کو ہاتھ سے چھوڑ دینا پڑتا ... یا ہاتھ شانے سے صاف اُکھڑ کر رخصت ہو جاتا .... مگر اللہ کا شکر ہے ... کہ موج گذر گئی .... زور کم ہو گیا ... اور ہم لوگ کشتی کے اندر گھٹنوں تک پانی کے درمیان کھڑے رہ گئے .....

"پانی ..... پانی نکالئے ..." جہانگیر نے چلا کر کہا ..." اور یہ کہتے ہی اُس نے پانی نکالنا شروع کر دیا .."

میں پھر بھی اُس کے اس کہنے پر توجہ نہ دے سکا .... کیونکہ ماہتاب کی روشنی قطعی غائب ہو کر ہم کو گھٹا ٹوپ تاریکی میں چھوڑ گئی تھی۔ مگر وہ روحانی روشنی جس کا منبع انسانی دل ہے۔ اور جو ظاہرا ہمہ گیر تاریکی میں بھی انسان کو جادہ مستقیم کا پتہ بتلا دیتی ہے .... اس وقت اس جسم کے چہرہ پر پڑی ... جس کو میں نے پکڑ طوفانی امواج سے نکالا تھا ... اور جو اس وقت چاروں شانے چت نصف پانی میں ... اور نصف کشتی کے کمانچہ پر پڑا ہوا تھا ...

آہ ..... یہ کون تھا ... میرا رُوح روان اسد ... جو محض تائید ایزدی .... اور موجوں کی عنایت سے مجھے واپس مل گیا تھا .....

مردہ یا زندہ .... اس کو دریافت کرنے کی فرصت وقت کی نزاکت نے نہ دی ... تاہم یہ ظاہر تھا ... کہ وہ المناک بحری موت کے منہ سے نکلکر مجھ تک پہنچ چکا تھا .... میں نے اس عالم میں بھی شکریہ ادا کیا

"پانی باہر نکالئے .... جلدی کیجئے ..." جہانگیر نے چیخ کر کہا .... "ورنہ یہ کشتی بھی تہ آب ہوتی ہے ...."

میں نے ایک دستہ لگے ہوئے برتن سے جو تختہ نشست کے نیچے رکھا تھا ... پانی باہر نکالنا شروع کیا ... میرے دونوں ساتھی بھی اسی میں مشغول تھے ..." پُر غضب طوفان ہمارے سر پہ .... ہر چہار طرف نمونہ قیامت بپا کر رہا تھا۔ کشتی ایک ہلکے تنکے کی طرح کبھی اس طرف ہچکولے لینے لگتی .... ہوا کے جھونکے ... امواج کے تھپیڑے ... اُڑنے والی جھاگ کے حملے ... ہم سب کو اندھا بنائے ہوئے تھی ... مگر ہماری حالت دیوانوں سے کم نہ تھی ... اور ہم لوگ کسی آسیبی طاقت سے کام کر رہے تھے ... اس میں شک نہیں

انتہائے یاس کا عالم بھی انسان سے فوق الفطرت کام کرا سکتا ہے۔۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔۔ تین منٹ۔۔۔۔۔ چھ منٹ گذر گئے۔۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتا۔۔۔۔ کہ یہ قلیل عرصہ ہم لوگوں کے لئے کس درجہ جانگداز و صبر آزما ثابت ہوا۔۔۔۔ بہر حال کشتی ہلکی ہونا شروع ہو گئی۔۔۔۔ اسی عرصہ میں کوئی تازہ موج حملہ آور نہ ہوئی۔۔۔۔ بس پانچ ہی منٹ بعد وہ پانی سے قطعی صاف ہو گئی۔۔۔۔ مگر یکایک طوفانی شور کے درمیان ایک اور بھیانک و مہیب آواز سنائی دی۔ جو بعینہٖ بادل کی گرج معلوم ہوتی تھی۔۔۔۔ اف۔۔۔۔ خدایا۔۔۔ یہ کیا تھا۔۔۔۔۔ برف کے پہاڑوں۔۔۔ کی آواز۔۔۔

اسی موقعہ پر ماہتاب کی روشنی پھر نمودار ہو گئی۔۔۔۔ مگر کہاں۔۔۔۔ طوفانی دائرہ کے عقب میں۔۔۔۔ سمندر کی دریدہ سطح پر۔۔۔ بہت دور فاصلہ پر اس کی شرمیلی ضیاء جلوہ ریز۔ عکس فگن نظر آتی تھی۔۔۔۔ اور وہاں۔۔۔ گویا ہم سے تقریباً نصف میل آگے۔۔۔ جھاگ کی ایک سفید لکیر سی قائم تھی۔۔۔۔ اس کے عقب میں پھر ویسی ہی سفید لکیر۔۔۔ یہی وہ برف کی چٹانیں تھیں۔۔۔ جن کے ٹکرانے کی آواز بادل کی گرج کو شرما رہی تھی۔۔۔۔ ہم جیوں جیوں آگے بڑھ رہے تھے۔۔۔ ان کی آواز بلا کی مہیب۔۔۔ اور صاف ہوتی جاتی تھیں۔۔۔۔ یہ چٹانیں باہم ٹکرا کر جھاگ و پانی کی بوچھاڑیں دوڑا رہی تھیں۔۔۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔۔۔ کہ دو خونخوار دیوزاد باہم جنگ میں مصروف ہیں۔۔۔۔ "الیاس۔۔۔ پتوار سنبھالو۔۔" میں نے عربی زبان میں چیخ کر کہا۔۔۔ "یہی وقت کوشش ہے کہ ہم ان کو بچا کر آگے نکل جائیں"۔۔۔ یہ کہتے ہی کہتے۔۔ میں نے ایک ڈانڈا (چپو) پکڑ لیا۔ اور جہانگیر کو بھی اشارہ کیا کہ وہ بھی فوراً اسی پر عمل کرے۔۔۔۔

الیاس نے فوراً آگے بڑھکر پتوار کو ہاتھ میں لیا۔۔۔ اور اس طرف جہانگیر نے بھی ڈانڈا لیکر پانی میں ڈالدیا۔ چشم زدن میں کشتی کا رخ پھر کر اسی بڑھنے والے جھاگ اور بوچھار کی طرف ہو گیا۔۔۔ اور کشتی اسی غار اجل کی طرف اس سرعت و تیزی سے بڑھی۔۔ جس طرح کوئی تیز رفتار گھوڑا۔۔۔ ہمارے سامنے والی برف کی چٹانیں بہ نسبت داہنے اور بائیں کے زیادہ زبردست اور موٹی تھیں۔۔۔۔ ان کے درمیان پانی کا ایک خلا۔ تاریکی۔۔۔ سے پُر تھا۔ میں نے مڑ کر اس بحری غار اجل کی طرف اشارہ کر کے بتلایا۔۔۔

الیاس۔۔۔ خدارا۔۔۔۔ اپنی جان کی خاطر جان لڑا دو۔" میں نے بصد اضطراب چیخ کر کہا۔۔۔

اس میں ذرا کلام نہیں۔۔۔ کہ الیاس نہایت ماہر و ہوشیار ملاح ہونے کے علاوہ ان سواحل کے خطرات سے بخوبی واقف تھا۔۔۔ میں نے دیکھا۔۔۔ کہ اس نے پتوار کو سنبھالا۔۔۔ اور اپنے بھاری جسم کو

آگے کی طرف خم دے کر ایسا شدید زور کیا..... کہ اُس جھاگ اور پانی کی طرف دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں اس طرح چمکنے لگیں.... گویا عنقریب حلقوں سے باہر نکل پڑیں گی..... پانی کا بہاؤ..... ہوا کا رخ ہماری کشتی کو اسی دہن غار کی طرف دھکیلے لئے جاتا تھا.....اور اگر ہم اسی طرح اس برف کی چٹان کی طرف ۵ گز بھی بڑھ جاتے..... تو ہمارا اُس غار نما تاریکی میں پھنس کر فنا ہو جانا یقینی تھا.... موجیں ہر طرف سے ہم کو پابہ زنجیر کئے ہوئے تھیں..... الیاس نے اپنے کھڑے ہونے کی جگہ پر دونوں پیر جمائے..... اور اُس نے پتوار پر اپنے سارے جسم کا وزن دیا۔ اس کے پیر کے انگوٹھے انتہائی طاقت کو کام میں لانے کی وجہ سے چپٹے کر رہ گئے..... مگر اُس نے پتوار کا رخ بدل دیا..... کشتی ذرا سنبھلی..... اور دوسری سمت کچھ یونہی سی مڑی.... میں نے جہانگیر سے پیچھے کھنے کے لئے کہا۔ اور خود بھی زور زور سے ڈانڈا چلانے لگا.....اب کشتی نے ذرا جواب دیا.... مگر کب..... غار کے دہانہ پر پہنچا دینے کے بعد۔

اللہم احفظنا ہم ان کے درمیان پہنچ گئے.... اس کے بعد دو منٹ جس جانفرسا جد و جہد..... اور دلاوز کیفیت کے زیر اثر گذرے.... ان کو احاطہ تحریر میں لانا قلم کے امکان سے باہر ہے۔ جو کچھ مجھے یاد پڑتا ہے وہ یہ کہ ہماری کشتی شور مچانے والی موجوں کے جھاگ میں سما گئی..... لہریں ہمارے گرداگرد اٹھ اُٹھ کر اس شدت سے تہلکہ مچا رہی تھیں..... کہ بادی النظر میں ایسا گمان ہوتا تھا.... کہ بحری لحد سے منتقم ارواح پیدا ہو کر ہم لوگوں کو ہڑپ کر لینے کی دھمکی دے رہی ہیں۔ یکایک ہم داہنی جانب مڑ گئے...... اب آیا یہ محض حسن اتفاق تھا.... یا الیاس کی چابکدستی..... میں عرض نہیں کر سکتا.... مگر اس کے کہ ہم ان برف کے ٹکڑوں کی زد میں آئیں۔ ہماری کشتی بالکل سیدھی ہو گئی..... خدایا..... تو علیم ہے۔ لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں..... کہ اگر یہ برف کی چٹانیں ایک مرتبہ بھی ٹکرا جاتیں.... اور ہماری کشتی ان کے درمیان ہوتی.... تو کشتی کے علاوہ ہم لوگوں کے استخوان ایسے سُرمہ سا ہو جاتے..... کہ بروز حشر دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اُن کا فراہم کرنا دشوار ہو جاتا..... اور بہت ممکن ہے..... کہ پتہ بھی نہ چلتا..... اُف..... کتنا مہیب و نازک موقعہ تھا..... اب یہ سوال..... کہ ہماری کشتی اُنکے درمیان ہو کر نکلی..... یا موج کے زور سے اوپر اُٹھ کر نکل آئی..... میں کچھ نہیں کہہ سکتا..... اور نہ مجھے یاد ہے..... بہرحال کسی طرح بچ گئی..... اس طرف ہمارے دوست نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا..... اور پلک مارتے ہی ہم ان زندگی سوز امواج کی زد سے نکلکر پرسکون سطح سمندر میں آ رہے۔

اس قلیل عرصہ میں کشتی پھر دوبارہ پانی سے لبریز ہو چکی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تقریباً نصف میل آگے پھر ایسی ہی ایک قطار سے دو چار ہونے کا امکان تھا۔ ہم لوگوں نے ملکر بلا کی تیزی سے پانی نکالنا شروع کر دیا یہ بھی خوش قسمتی سمجھئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ پانی کا زور بڑی حد تک کم ہو چکا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور چاندنی اب پوری تیزی سے پھیل گئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں نظر آیا۔ ۔ ۔ ۔ کہ ایک سیاہ سا حاشیہ نصف میل آگے واقع ہے۔ جس کے سلسلہ میں یہ برف کی چٹانیں بھی شامل نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا اُسی سے ملحق جھاگ دوڑانے میں مصروف نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غالباً یہ بری حصہ جو دور تک سمندر میں گھسا چلا آیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی قدر نیچا تھا۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنے دامن میں خس و خاشاک کی کافی مقدار رکھتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ اس عجیب قسم کی نوکیلی چوٹی پر ختم ہوتی تھی۔ جس کا فاصلہ باندازۂ نظر ہمسے ایک میل تھا۔ ۔ ۔ ۔ اس طرف ہم نے کشتی کو دوبارہ پانی سے صاف کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ادھر اسد نے آنکھیں کھولیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر کہنے لگا۔ ۔ ۔ ۔ کہ یہ کپڑے اور لبستہ کیوں لت پت ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا ابھی صبح کی نماز کا وقت نہیں آیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں اپنی پُر خوف مسرت کا حال کس طرح بیان کروں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو مجھے اُسے زندہ پاکر یک بیک ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے اُس سے کہا۔ ۔ ۔ ۔ کہ ابھی آرام سے سوتے رہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جگنے کی ضرورت نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ پھر سو گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اُسے ہمارے المناک مصائب کا ذرہ برابر بھی علم نہ ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہ گیا میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے اس صبح کی نماز کے حوالہ نے علی گڑھ کالج کی یاد تازہ کر دی۔ ۔ ۔ ۔ اور میں دل ہی دل میں اپنے اوپر نفریں کرنے لگا۔ ۔ ۔ ۔ کہ میں نے کیوں وہ پر سکون زندگی چھوڑ کر یہ عذاب جان مول لیا۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنی بیوقوفی سے اسے اس مہم پر روانہ ہونے کی رائے دی۔ ۔ ۔ ۔ یہ خیال اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ میرے دل میں پیدا ہو کر پریشان کر چکا تھا۔ ۔ ۔ ۔ مگر خدا معلوم اس وقت کیوں اس شدت سے اثر انداز ہوا۔

اب ہم برف کی چٹانوں کے دوسرے سلسلہ کی طرف بہت ہی آہستگی سے بڑھ رہے تھے۔ ہوا کا زور کم ہو چکا تھا۔ ۔ ۔ ۔ صرف سطح آب یا پانی کی روانی اپنے بہاؤ پر ہماری کشتی لئے جا رہی تھی۔

ہم پھر ایک مرتبہ ان کے درمیان آگئے۔ ۔ ۔ ۔ میرے اور الیاس کی زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ نکلا اور جہانگیر نے بزدلانہ آہ بھری۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر ایک مرتبہ وہی کشمکش اور جان بچانے کی جد وجہد شروع ہو گئی۔ ۔ ۔ اس کے بعد وہی نظارہ جو قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ ۔ ۔ ۔ پیش آیا۔ ۔ ۔ مگر اس مرتبہ نسبتاً کم خطرات کے ساتھ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کشتی پر سکون سطح پر آ رہی۔ ۔ ۔ ۔ ہماری ساری طاقت جواب دے چکی تھی۔ ۔ ۔ ۔ اب ہم میں سوائے اس کے ذرا بھی سکت نہ تھی۔ ۔ ۔ ۔ کہ ہم صرف کشتی کا رخ سیدھا رکھیں۔ ۔ ۔ ۔ اور اُسے اُس نکلی

مرضی پر چھوڑ دیں۔ مگر آپ تعجب کریں گے.... کہ ان برف کی چٹانوں سے باہر نکلتے ہی کشتی اُس سیاہ حاشیہ کی طرف جس کا حوالہ دے چکا ہوں..... اس سرعت سے روان ہوئی..... کہ ہوا کے سناٹے کانوں میں بھرنے لگے۔

ہم بہاؤ کے ساتھ ساتھ رقص کناں راس کے دامن تک بخیریت پہنچ گئے۔ اور پھر ساحل کے دامن سے ملحق آگے بڑھے.... یہاں پہنچ کر کشتی کی رفتار یکدم کم ہوگئی.... یہاں تک کہ بالکل ساکت نظر آنے لگی..... سطح اب انتہائی پرسکون تھی..... طوفان بالکل گذر چکا تھا..... مطلع صاف..... ساحل کا حاشیہ سمندر کے درمیان حد فاصل کی طرح طوفان کے تھپیڑوں کو نیچا دکھا چکا تھا..... اور اس طرح دریا کا پانی (واضح رہے.... کہ اب ہماری کشتی ایک دریا کے دہانہ پر تھی) طوفانی امواج کے زور میں اوپر کی جانب چڑھ گیا تھا..... اور یہی وجہ تھی.... کہ وہاں سے لوٹتے وقت پانی میں اس قدر تیزی تھی.... کہ ہماری کشتی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی..... اس مقام پر پانی بالکل ٹھہرا ہوا تھا..... اور کشتی نہایت اطمینان سے روان تھی..... اور قبل اس کے کہ ماہتاب روپوش ہو۔ ہم نے پھر ایک مرتبہ جان توڑ کر کوشش کر کے کشتی کو پانی سے صاف کر لیا.... اسد اس وقت تک سو رہا تھا..... اور سر دست میں نے یہی مناسب سمجھا.... کہ اسے بیدار نہ کیا جائے.... اس میں شک نہیں.... کہ وہ تر کپڑوں میں سو رہا تھا.... لیکن رات کی گرمی.... اور فضا کی حدت اتنی کافی تھی..... کہ جس سے اسد کے مانند طاقت نوجوان کو رطوبت سے نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ سچ بات یہ بھی تھی.... کہ ہم خشک کپڑے لاتے بھی تو کہاں سے لاتے..... کشتی کا جملہ سامان تر اور شرابور ہو چکا تھا۔

ماہتاب بتدریج نیچے جھکنے لگا..... ہم بدستور کشتی پر سوار.... پرسکون پانی میں ناقابل محسوس رفتار سے روان تھے..... اب وہ موقعہ آگیا..... کہ میں اپنے متلاطم سینہ کو سنبھال کر اُن تمام آلام و مصائب پر غور کروں۔ جو صرف چند گھنٹوں کے اندر ہم سب پر گذر چکے تھے..... اور جن سے خدا نے محض اپنے رحم و کرم سے بال بال بچا لیا تھا..... جہانگیر کشتی کے اگلے کمانچہ پر..... الیاس پتوار کے قریب اور میں کشتی کے درمیانی تختہ پر بیٹھا ہوا تھا..... اور میرے قریب اسد پڑا ہوا سو رہا تھا.....

ماہتاب اپنی مصفا و تاباں روشنی کو ساتھ لئے اسطرح رخصت ہوا.... جس طرح کوئی عروس نازنہ حجلہ عروسی میں داخل ہو..... فلک دوار پر جا بجا نقاب پوش سائے نمودار ہونے لگے....

جہاں تارے شرما شرما کر بتدریج غائب ہو رہے تھے ..... اس کے ذرا ہی دیر بعد ان کے چہرے بھی زرد پڑ گئے ..... اور قبل اسکے کہ دائرہ افق سے شہنشاہ کی آمد ہو ..... مطلع نور کی ضبابار جلوہ ریز نے اپنا نورانی مکھڑا دکھا کر ان کے قدم میدان سے اکھاڑ دیئے ..... سطح آب پرسکون ..... انتہائی پرسکون ہو گئی اور اس وقت سطح آب پر باد نسیم کی ترنم خیز سرسراہٹ بغایت جانفزا اثر پیدا کرنے لگی ..... جس طرح کسی مایوس بیمار کو بستر غم پر پڑے ہوئے بھی اس ہوا سے جان آ جاتی ہے جو تمام کلفت و مصیبت سے ایک عارضی لمحہ کے لئے نجات دے دیتا ..... اور اپنی پیشانی سوزاں پر اس کی لطافت محسوس کر کے تھوڑی دیر کے لئے اپنی رنجور حالت بھول جاتا ہے ..... جیسے میرا قلب مضطرب بھی اس کے جانفزا اور خوشگوار اثر کو محسوس کر رہا تھا ..... مشرق سے مغرب تک ..... پانی کی سطح ..... بحر نا پیدا کنارہ - اور پہاڑوں پر ..... پہاڑ سے وہاں تک مطلع نور ..... سے جلوہ ریزی کر رہا تھا پرتو نور تابناکی سے برآمد ہو کر تاریکی و ظلمت کا اس طرح صفایا کر رہا تھا جس طرح پاک و مقدس روحیں قبری لحد سے برآمد ہو کر اشرور و شیاطین کو نیست و نابود کرنے لگی ہوں ..... پرسکون سمندر ساحل ... فاصلہ والی دلدل ..... ان کے گرداگرد پہاڑیوں پر ..... سونے والوں ..... جاگنے والوں ..... نیک و بد مردہ و زندہ ..... ہر ذی روح و غیر ذی روح ..... غرضیکہ کارگاہ عالم کی ہر شے پر ..... نور ضبابار باری کر رہا تھا۔

الہ العالمین ..... تو ہی ..... دلفریب و خوبصورت تھا ..... مگر غم انگیز ..... شاید زیادتی حسن بھی رنج و غم کا باعث ..... ہے ..... یہ سچ ہے ..... طلوع آفتاب کے ساتھ غروب بھی ہے ..... زندگی کے ساتھ موت ..... خوشی کے ساتھ غم ..... ہر عروج کے بعد زوال بھی ہے ..... ہمیں ایسے ہی موقعوں پر انسانی کیفیات و حوادث کا پتہ چلتا ہے ..... اور دنیا کے بے ثبات کی ابتدا و انتہا معلوم ہوتی ہے - خدا معلوم اس ..... کو میرے دل پر ان جذبات فطرت کا کیوں گہرا اثر ہوا ..... آج کا طلوع آفتاب ..... تھا ..... ہم اپنے اٹھارہ ساتھیوں کو اس سے قبل ..... چکے تھے .....

بڑی کشتی معہ ان کے غرق ہو چکی تھی ..... ان کی لاشیں گرداب فنا کے بحر بے پایان میں کہیں تیرتی پھرتی ہوں گی ..... صرف ..... تھے ..... جو زندہ سلامت بچ گئے تھے ..... مگر نہیں ایک دن ایسا طلوع آفتاب بھی ہوگا ..... جب ہم مسافران عدم کی فہرست میں اپنا نام لکھا چکیں گے .....

اور وہ دوسرے ہوں گے۔۔۔جو آفتاب عالمتاب کی پرشکوہ اور عظمت آفریں رونمائی کا مشاہدہ کریں گے۔ بہت سے خوشی و مسرت کے ساتھ ... بہت سے رنج والم کے ساتھ۔۔۔کسی کی زندگی معرض وجود میں آئے گی۔۔۔۔کوئی اپنا دورِ ہستی ختم کر چکے گا۔۔۔کوئی کسی شوخ حسین کی متوالی نظروں میں محو ہو گا۔۔۔۔اور کوئی بسترِ مرگ پر پڑا ہوا۔۔۔۔ دستِ اجل سے کشمکش کرنے کے بعد دائمی نیند میں مبتلا ہو جائے گا۔

آہ۔۔۔۔۔ پروردگار۔۔۔۔ سچ ہے۔۔۔انسانی ہستی کا سچا و حقیقی خاکہ یہی ہے:۔

ایم شمیم بلہوری

غزل

بہار بے خزاں پہنچی نسیم مشکبار آئی!
لپٹ کر دامن اُمید میں خوشبوئے یار آئی

کہوں کیا میں ازل ہی سے نہایت بیقرار آئی
کہ تیری آرزو دل میں بشکل انتظار آئی!

علائق سے جدا ہو کر ہمیشہ یاد بار آئی!
دل محزوں میں جب آئی بطرز خوشگوار آئی

گیا احساس جب دل سے تو دلبیں یاد یار آئی
مرا گلشن مٹا کر باغ ہستی میں بہار آئی

بہت مایوس نکلی میری خواہش جب کبھی نکلی
تری محفل میں جب آئی بہت اُمیدوار آئی

دکھایا خواب مجھ کو رات بھر تیری ہی صورت کا
مری آنکھوں میں غفلت بھی نہایت ہوشیار آئی!

غضب ہے اور بھی تڑپا دیا تیرے تصور نے
میں سمجھا تھا مرے آئینہ دل میں بہار آئی!

نہیں معلوم کیا دستور ہے بزم حسیناں کا
وہاں سے آرزو اکثر نہایت شرمسار آئی

کسی کا ساغر اُمید تو یارب نہیں ٹوٹا
سماعت آہ مضطر کان میں بے اختیار آئی

مرے دل کو ملا روزِ ازل سامان بیتابی
مری آنکھوں کے حصے میں بلائے انتظار آئی

سنا کر تجھ کو آوازِ شکستِ دل سر محفل
مری اُمید تیرے ظلم کا بدلہ اُتار آئی!

بہت ممنون ہوں ہادیؔ میں دشمن کی عنایت کا
مری قسمت کو اُس کی بدعا جب کارگر آئی!!

مخبری

(۱)

"دو سانڈ لڑیں۔ اور باڑی کا جھکنا چورا!"

جرمنی اور اتحادی تو آپس میں سر ٹکرا رہے تھے، لیکن بیچارے ہندوستان کا مفت میں دیوالہ نکالا جاتا تھا۔ ملیریا، ہیضہ، یا طاعون تو شدت سے نہیں پھیلا، البتہ گرانی کا اتنا زور ہوا کہ افیون، گانجہ، بھنگ، اور شراب کے دام بھی دو گنے اور سہ گنے ہو گئے۔

ماہانہ آمد و خرچ کے وہ گوشوارے، جو بلا طلب بڑے بڑے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں پہنچنے لگے تھے، بغور مطالعہ کرتے کرتے بیچارے انکم ٹیکس افسروں کی آنکھوں میں نقص واقع ہونے لگا، اور پھر سر میں درد شروع ہو گیا، چنانچہ ان کو طویل رخصتوں کی درخواستیں دینی پڑیں!

غلہ کے مارواڑی تاجروں نے چوہوں کو اتنا ناراض کر دیا۔ کہ وہ مارے طیش کے ہجرت کرنے لگے۔ پہلے تو وہ مزے سے رات بھر غلہ گداموں میں قواعد پریڈ کیا کرتے تھے، لیکن جب گدام خالی رہنے لگے، تو انہوں نے مقاطعہ جوعی کیا، پھر خبر نہیں کیوں گداموں کا بائی کاٹ کیا۔ اور گھروں میں آ گھسے پھر اپنا غصہ اس طرح اُتارا کہ بلا تخصیص سودیشی اور بدیشی کپڑوں کو چھلنی کر ڈالا۔ اور جب پھر بھی اُن کا غصہ فرد نہ ہو سکا۔ تو چپ چاپ نکل کر غلہ لاد کے لیجانے والے جہازوں میں جا بیٹھے۔ اور سمندر کے پار پہنچ گئے!

ہندوستان سے سامان لیجانے والے جہازوں کے کپتان صاحب کو چوبیس گھنٹہ برابر یہ تشویش رہنے لگی۔ کہ ان کے خلاصی رات کو سوتے میں کیوں بڑ بڑایا کرتے ہیں۔ کہ "ارے باپ! ایڈن آگیا رے!" وہ کونسی ایسی بلا ہے۔ جو انہیں خواب میں رلایا کرتی ہے!

ٹھیک اس وقت جبکہ گلاڑی بھٹوں کی فصل سر پر آگئی، پٹواری جی کو سرکاری قرضۂ جنگ کے لال اشتہارات تقسیم کرنے پڑے، اپنے حلقے کے کسانوں کو پھسلانا پڑا، اور ان سے چندہ وصول کر کے سرکاری خزانہ میں داخل کرانا پڑا۔

ڈوگھڑل کی دکان سے سودا لینے والے گاہکوں کی حیرانی کسی کے مٹائے نہیں مٹتی۔ وہ اکثر سوچا کرتے ہیں۔ کہ پہلے اگر دس دفعہ کہا جاتا تب مشکل سے ردی کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے میں ڈوگرمل سودا باندھ کر دیتے تھے۔ لیکن آج کل ذرا ذرا سے سودے کو بھی بڑے لمبے چوڑے اخباروں اور اشتہاروں میں باندھ دیتے ہیں؟

فوج میں جو ڈاکٹر صاحب ہیں۔ وہ بہت فکرمند رہتے ہیں۔ اور افسوس کرتے ہیں۔ کہ آج کل کیوں لفٹنٹوں کرنیلوں سے لے کر معمولی نائک اور جمعدار تک جلدی جلدی ضعف بصر، ضعف معدہ، درد سر، درد دل، اور بے خوابی کے مہلک امراض میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں؟ جبکہ اس سے پہلے انکی تندرستی اتنی اچھی رہتی تھی۔ کہ وہ پنشن کا نام لینا بدشگونی سمجھتے تھے۔ اور ان کے دانت گرتے تھے تو صرف نزلہ کے زور سے، بال سفید ہوتے تھے۔ تو نزلہ ہی کے زور سے، اور بینائی کم ہوتی، تو بھی نزلہ ہی کے زور سے!

بخلاف ان کے عام آدمیوں کی قوت باصرہ اتنی تیز ہو گئی کہ وہ اپنے گھر کی چھتوں پر سے سات سمندر پار کے جرمنی ہوائی جہاز کو روزرات کے آٹھ بجے گوشہ مغرب میں ٹمٹماتا ہوا دیکھ لیا کرتے، اور پھر بعض کی بینائی نے تو اتنی ترقی کی کہ جب ہاتھ کی پولی مٹھی باندھ کر اسمیں سے دیکھتے تو اس ہوائی جہاز میں آدمی بھی بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے، نہ صرف یہ بلکہ لال، نیلی، ہری، اور سفید لالٹینیں بھی ان کو نظر آ جاتیں جن سے ہیلیوگرافی کے اشارے کیئے جاتے تھے!

اس زمانے میں افتخار نے نائب تحصیلداری کا امتحان دیا۔ اس سال اس نے، رابرٹس کالج سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ کمشنر صاحب نے اسے پاٹن میں تعینات کیا جو ضلع کے صدر مقام سے ۳۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ افتخار نے شہری زندگی گزاری تھی۔ گاڑی، بگھی، موٹر، تانگوں کی گھڑگھڑاہٹ، شور وغل، دھوم دھام، سڑکوں پر مجمع، یہ سب ماحول تھا۔ جس میں اُس نے ہوش سنبھالا۔ اس لئے پاٹن پہنچکر اسے بہت مایوسی ہوئی۔ ایک معمولی تحصیل جہاں کی مجموعی آبادی تین ہزار نفوس ہو، افتخار کے لئے مایوس کن تھی۔ اگرچہ ملازمت پیشہ اور ہم مرتبہ لوگ وہاں ضرور تھے، لیکن افتخار ان سے بھی مانوس نہیں تھا۔

البتہ اگر وہ شکار کا شوقین ہوتا۔ تو بھی اس کا دل بہل جاتا۔ آس پاس کے دہقان جو شکار کا گوشت کھانے کے خواہش مند ہیں، لیکن خود شکاری نہیں، کیونکہ صاحب انہیں بندوق کا لائسنس

نہیں دیتے، افتخار کو جگہ جگہ پھراتے اور اس کا دل ہل جاتا۔ مگر بدقسمتی سے اس نے اپنی عمر بھر میں کبھی بندوق نہیں چلائی تھی، نہ اسے شوق تھا۔

اچھا یہ نہ سہی تو اسے نقاش اور مصور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ پاٹن میں جو ہر ہفتہ بازار بھرا کرتا ہے۔ اسمیں آس پاس کے دہقان جمع ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ ان کے مختلف اقسام کے فوٹو لیتا تو ان کی سادہ مگر عجیب وغریب زندگی اور معاشری حالت کا بیش بہا ذخیرہ معلومات دنیا کے آگے رکھ سکتا۔

کتابیں پڑھنا بھی وہ دردسری سمجھتا ہے۔ البتہ اگر اسے کسی قسم کی دلچسپی ہے۔ تو جغرافیہ سے۔ پرانی اور نئی تمام جغرافوی کتب کا ذخیرہ اس کے پاس ہے۔ وہ اخبار بھی دیکھتا ہے۔ تو اس لئے کہ کہیں اسے معلوم ہوجائے۔ کہ جرمنی کی مملکت اب کہاں تک محدود ہے، اور ترکی قبضہ میں اب کونسے ملک ہیں وغیرہ، اس کے کمرے میں دنیا کے متعدد نقشے آویزاں ہیں، اور وہ فرصت کے اوقات میں ان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

افتخار کا چپراسی عبدل عیالدار آدمی ہے۔ اس کی چگھی ڈاڑھی ہے۔ جو حجامت کے برش کی طرح صرف تھوڑی جگہ پر کھڑی جمی ہوئی ہے۔ کانوں کے پاس کچھ کچھ بال ہیں۔ اور درمیان میں کچھ نہیں ہے۔ عبدل کے گال اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ خاکی کوٹ پہنتا ہے۔ ایک دھوتی باندھتا ہے۔ اور کمر میں چپراس لگاتا ہے۔ جس پر "نائب تحصیلدار کا چپراسی" لکھا ہوا ہے۔ اس کی ماں بوڑھی ہے۔ اس کی پہلی عورت مرگئی۔ جس سے دو لڑکے ہیں ایک لڑکی ہے۔ اب اس نے ایک اور شادی کی ہے۔ عبدل کی ماں افتخار کا کھانا پکاتی ہے، جس کے بالعوض وہ اسے پانچ روپے ماہوار اور روٹی دیا کرتا ہے۔ افتخار کی شادی ابھی نہیں ہوئی۔ عبدل بہت بے تکلف ہوگیا ہے۔ اور وہ اکثر افتخار سے کہا کرتا ہے کہ "حضور اب شادی کر لیجئے" جب وہ یہ کہتا ہے تو مسکراتا ہے۔ جس سے اس کے بیٹھے ہوئے گالوں میں ایسی بے شمار لکیریں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جیسے کسی نے کپڑے میں چُنٹ بھردی ہو!

(۳)

کنوار کا مہینہ آدھا گزر گیا۔ لیکن مینہ برسنا بند نہیں ہوا۔ صبح ٹھنڈ پڑتی ہے۔ دوپہر کو سخت گرمی ہوتی ہے۔ تمام نیلے آسمان پر بادل ایسے چھاجاتے ہیں۔ جیسے سفید روئی کے

عبدل کے بوڑھے ماموں نے آنکھیں مل کر کہا۔

کل رات کو نائب صاحب کا پھر ذکر نکلا۔ تحصیلدار کہنے لگے وہ کوئی جولاہہ یا بنجارہ ہی ہے اسی لئے ہم لوگوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتا۔ اور دس روپے پانے والے عبدل کے ساتھ رہتا ہے۔ پھر بڑھا عبدل کی صورت کا اتار چڑھاؤ دیکھنے کو ٹھہر گیا۔

"تحصیلدار نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اس کے آتے ہی سارا کام میں نے اس پر ڈال دیا ہے۔ پولیس کا سرکل انسپکٹر کہنے لگا۔ ضرور وہ عبدل کے ذریعہ سے رشوت لیتے ہوں گے۔ جب ہی تو اس سے ملے رہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ نائب صاحب نے سینہ درد کی دوا مانگی تھی تو اس نے گرم دوا کی بجائے ٹھنڈی دوا بھیجدی پھر بھی وہ نہیں مرے! اب کہاں تک بتاؤں روز ایسی باتیں ہوتی ہیں۔

پھر عبدل نے اپنے ماموں سے لڑائی کا حال دریافت کیا اور وہ ایسا بیان کرنے لگا۔ گویا وہ خود دیکھ آیا ہو۔

(۳)

روز شام کو نائب تحصیلدار صاحب آرام کرسی پر لیٹے ہوئے حقہ پیا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی پندرہ پندرہ منٹ تک حقہ کی نے ہونٹوں میں دبا کر چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں۔ اور کش نہیں لیتے۔ جس سے حقہ بجھ جاتا ہے۔ اس وقت نائب صاحب عبدل کو پکارتے ہیں۔ جو حقہ دوبارہ بھر جاتا ہے۔ نائب صاحب اپنی تنہائی پر بہت افسوس کرتے ہیں۔ ان کا جی چاہتا ہے۔ کہ وہ خود کمشنر صاحب سے جا کر ملیں۔ کیونکہ تبادلہ کی چار پانچ درخواستوں کا کوئی جواب نہیں آیا۔ کبھی ان کو کمشنر صاحب کی خفگی کا یقین ہوتا ہے، کبھی ان کے ہیڈ کلرک کے دبا لینے کا شبہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی تنہائی پر بہت افسوس کرتے ہیں۔ شام سے کھانے وقت تک ان کو ہزار دل وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن کھانے کے بعد وہ جب بستر پر لیٹتے ہیں۔ تو تمام فکریں فرو ہو جاتی ہیں۔ اور ایسی گہری نیند سوتے ہیں۔ کہ کسی کی خبر نہیں رہتی۔

نائب صاحب کئی بار ارادہ کیا کہ کمشنر صاحب سے خود مل آئیں۔ لیکن دفتر کا اتنا کام ان کو کرنا پڑتا ہے۔ کہ مہلت نہیں ملتی، نہ تحصیلدار سے وہ درخواست کر کے رخصت لینا

چاہتے ہیں۔
ڈیڑھ برس ہوگیا جب سے وہ وطن نہیں گئے ہیں۔ وہ عبدل کی ماں سے اکثر ذکر کرتے ہیں۔ کہ ان کی والدہ کتنی کڑھتی ہوں گی۔ ان کے والد نے تین تین خط لکھے کہ ملازمت چھوڑ دو اور چلے آؤ۔ مگر نائب صاحب ملازمت نہیں چھوڑنا چاہتے۔ کیونکہ وہ سوچتے ہیں کہ پھر کیا کروں گا؟ ان کے والد نے شادی کا بندوبست کیا ہے۔ مگر ان کے نہ جانے کی وجہ سے کام رکا ہوا ہے۔ نائب صاحب نے عبدل سے بھی اس کا اظہار کیا ہے۔ کہ یا تو تبادلہ ہو جائے یا رخصت مل جائے لیکن وہ اتنا کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ۔
"سرکار گھبرائیے نہیں" اور اس سے ان کی تسکین نہیں ہوتی۔

(۴)

دونو وقت ملنے لگے۔ اندھیرا ہو چلا۔ گائے، بھینس اور بکریوں کے ریوڑ جنگل سے پلٹنے لگے۔ بعض بھینسوں کے گلے میں جو گھنٹیاں ہیں۔ ان کی آواز سے سڑک گونجنے لگی۔ چھپروں میں رہنے والی دہقان عورتوں نے کنڈے اور گھاس سلگایا جس کا دھواں آسمان کی طرف بلند ہونے لگا۔
کبیر پنتھ سادھو نے "من لاگو رے رام فقیری میں!" والا بھجن گانا شروع کر دیا۔
آبادی کے باہر والی پکی سڑک پر عبدل کھڑا ہے۔ وہی خاکی کوٹ زیب بدن ہے۔ جسے پچھلے سات ماہ ہو گئے کہ دھونے کی نوبت نہیں آئی۔ وہ چپ چاپ کھڑا ہے۔ کبھی کبھی جھک کر سڑک کے بازو والی خود رو نباتات کو توڑ کر دیکھتا ہے۔ اور کبھی سڑک پر آنے جانے والوں کو بغور دیکھتا ہے۔
ابلو! اس نے جھٹ آنکھوں کے سامنے ایک ہاتھ کا سائبان کر کے دیکھنا شروع کیا۔ اسے دو منور لالٹینیں نظر آئیں جو بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھی چلی آتی تھیں۔ پاس آئیں تو اس نے دیکھا کہ سائیکلوں پر دو آدمی سوار ہیں۔ انہی سائیکلوں کے لمپ اسے دوڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ عبدل نے پاس آتے ہی انہیں جھک کر سلام کیا۔ اور کالے کالے لبادے

پہنے ہوئے سواروں نے گردن ہلادی اور تھوڑی دور جاکر اتر پڑے۔

عبدل نے کہا" حضور نے ذرا دیر لگادی"

"ہاں ڈیر ہو گیا"

جب وہ چونگی کے ناکے پر پہنچے تو اپنی سائیکلیں وہاں رکھدیں۔ اور پھر آبادی میں عبدل کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ وہ دونو چپ انگریزی میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ایک ایک برقی جیبی لمپ تھا۔ عبدل نے انہیں لے جاکر ڈاک بنگلے کے قریب کھڑا کر دیا۔ اسطرف کی کھڑکیوں کے دھندلے شیشوں میں سے روشنی چھن چھن کر باہر آتی تھی۔ چائے کی طشتریوں اور پیالوں کی کھٹ پٹ صاف سُنائی دیتی تھی۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کے پٹ نیم وا تھے۔ وہیں دبے پاؤں آکر دونو کھڑے ہو گئے۔ اندر جو کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اُن پر، تحصیلدار صاحب، سرکل انسپکٹر صاحب پولیس، ایونیو انسپکٹر صاحب، مینیجر صاحب، پوسٹ ماسٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب، مینیجر کو آپریٹو بینک، اور دو وکیل صاحبان، بیٹھے ہوئے تھے۔

وہاں لڑائی کی خبروں پر حاشیہ آرائی ہو رہی تھی۔

تحصیلدار — "سرکل صاحب کچھ نہ پوچھئے۔ اب تھوڑے ہی دنوں میں لڑائی کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

سرکل صاحب — "افوہ! بھئی واقعی بڑی بھاری جنگ ہے"

وکیل صاحب — "اجی مہابھارت سے بھی بڑی"

ہیڈ ماسٹر صاحب — "نہیں! نہیں! ایسا مت کہو۔ مہابھارت بات دوسری یہ بات دوسری!"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد سرکل صاحب نے پھر کہا۔

"جناب تنگ کر رکھا ہے۔ اگر ایسا ہو تو بہت ہی اچھا ہو جائے"

تحصیلدار صاحب — "سرکل صاحب بے انصافی تو دیکھئے۔ میری عمر پچپن برس کی ہوگی۔ بیس سال سے ملازم ہوں۔ لیکن وہی تحصیلداری۔ اور ہمارے بڑے صاحب ابھی کل ہی کے لڑکے ہیں، اور ہم پر افسر بنا دیئے گئے۔ ان کی برابر تو میرے لڑکے ہیں۔ کیوں ہے نہ بے انصافی؟"

سرکل صاحب — "بے شک بے شک!"

ایونیو انسپکٹر — "اور سرکل صاحب کی کیا حالت ہے۔ کپتان صاحب کے برابر ان کے بھی لڑکے ہوں گے!"

سرکل صاحب — "اجی جناب ہیں ہی!"

تحصیلدار — "آج ایک خبر اخباروں میں نظر سے گزری واقعی بڑی دلچسپ ہے" سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تحصیلدار صاحب — "ان کو کمپ میں ایک جرمنی کا ہوائی جہاز اترا۔ جب اس میں دیکھا گیا تو کوئی آدمی نہیں تھا۔ البتہ تقریباً دس بارہ ہزار گھڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔

یہ بہت چمکدار گھڑیاں تھیں۔ سولجروں نے مال غنیمت سمجھکر ایک ایک تقسیم کر لی۔ اور جیب میں رکھ لی۔ بھئی کیا بتاؤں جرمنوں کی عقل کو کہ ایسا پرزہ اس میں لگایا۔ کہ ٹھیک جب تمام گھڑیوں کا کانٹا بارہ پر آیا تو ہر ایک میں سے یکدم "پڑاق" کی آواز ہوئی۔ اور ایک بم سا پھٹا اور تمام گھڑی لینے والے سولجر میں فنا ہو گئے"

ایک وکیل صاحب — "بالکل جھوٹ ہے"۔

اور آوازیں — "نہیں صاحب سچ ہے۔ واہ رے نر! واہ رے شیر! شاباش! خوب! کمال کیا!"

تحصیلدار صاحب — "اجی جب ایسے ایسے عقل کے پتلے ہیں۔ تو کیا پوچھنا۔ بس اب ان کی خیر نہیں ہے۔ اب جرمن آتا ہی ہے —"

یک بیک آدھی کھلی ہوئی کھڑکی بالکل کھل گئی۔ اور اس میں سے ڈپٹی کمشنر اور کپتان جھانکنے لگے۔

ڈپٹی کمشنر نے ذرا جھک کر کہا۔

"گڈ نائٹ ٹاسلیدار! آم ٹمارا لرکا کا موفک ہے! جرمن آٹا ہے! اچھا!" کمرہ میں جتنے آدمی بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھیں ایسے ٹکٹکی باندھ کر ان دونو کی جانب ہو گئیں۔ جیسے ہنومان کے بت کی آنکھیں اور سب کی زبانیں ہونٹوں میں گویا سلا گئیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ یہانتک

کہ یہ دونو کھڑکیوں میں سے پھاند کر اندر آ گئے۔ انہیں دیکھکر سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سرکل صاحب نے بلی کا سا چہرہ بنا کر دونو ہاتھ جوڑے اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کی جانب بڑھے۔ ان کی زبان سے "حضور!" بھی پورا نہ نکلنے پایا تھا کہ نیلی آنکھوں والے غضبناک۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"ہم نہیں سننا مانگتا۔ جرمن آئے گا۔ اس سے بولو!"

ڈپٹی کمشنر صاحب بیٹھ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے فاؤنٹین قلم نکالا" اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان سب کے تبادلوں کے فرمان لکھے۔ تحصیلدار صاحب کو ڈنڈوری بھجوایا جو ریلوے اسٹیشن سے اسی (۸۰) میل ہے اور جہاں کی آب و ہوا کالے پانی کے موافق ہے۔ سرکل صاحب کو موتی نالہ تبدیل کیا جہاں خونخوار اور درندوں کا مسکن ہے" اسی طرح ہیڈ ماسٹر، ہاں پوسٹماسٹر ڈاکٹر" اور سب کو بجز افتخار کے چوبیس گھنٹہ کے اندر تبدیل کر دیا۔ تحصیلدار اور سرکل کی تنخواہوں میں لڑائی کے خاتمہ تک بیس بیس روپے ماہوار کی تخفیف کر دی۔

عبدل اس وقت افتخار کو بھی بلا لایا جو پہلی مرتبہ ڈاک بنگلہ کی اس باغی سوسائٹی سے متعارف ہوا۔ ڈپٹی کمشنر اور کپتان نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اور وہ سب گھور گھور کر اسے اور عبدل کو دیکھنے لگے۔"

(حسن عزیز "جاوید")

طلوعِ سحر!

فضا میں اُڑ رہی ہیں دھجیاں اب شامِ ہجراں کی
ذرا عاشق نوازی دیکھئے مہرِ درخشاں کی

مہیب و خوف افزا شکل شب کی ہوگئی پنہاں
نظر آتی ہے پیاری پیاری صورت صبحِ خنداں کی

اگر رنگینیاں کچھ دیکھنا ہیں حسنِ فطرت کی!
چلو اب سیر کر آئیں ذرا چلکر گلستاں کی!!

حسینانِ چمن کو چھیڑنا بادِ بہاری کا
یہ ننھے ننھے ہونٹوں سے ہنسی طفلِ گلستاں کی

یقیں ہے زاہدِ سالوس کو بھی وجد آجائے
اگر سُن لے ترنم ریزیاں مرغِ خوش الحاں کی

اِدھر شبنم کے قطرے روئے گل پر جھلملاتے ہیں
اُدھر جلوہ نمائی ہے ہمارے اشکِ غلطاں کی

چٹک کر کر دیا غنچوں نے چاک اپنے گریباں کو
ذرا دستِ جنوں تو بھی خبر لے جیب و داماں کی

چہل قدمی کوئی کرتا ہوا فتنے جگاتا ہے!
مماثل ہے زمینِ بوستاں محشر کے میداں کی

سہانا وقت ہے تو بھی اگر گلشن میں آجائے
تو دیکھے حشر انگیزی مرے جذباتِ پنہاں کی

اگر ذوقِ نظر ناظر کو ہو تو وجد آجائے
یہ رقصِ حسنِ فطرت اور یہ محفل گلستاں کی

چکوروں کا خرامِ ناز اور کہسار کا منظر
وہ سبزے پر ادا سے دلربا طاؤسِ رقصاں کی

صدائے روح پرور آرہی ہے میرے کانوں میں
نہایت عجز سے کرتا ہے کوئی یادِ رحماں کی

وحوش و طیر سب مشغول ہیں یادِ الٰہی میں!
جو ہے مصروفِ راحت ایک وہ غفلت ہے انساں کی

کوئی اُٹھا ہے خوابِ ناز سے زلفوں کو بکھرا کر
ہوئی تعبیر پوری اب مرے خوابِ پریشاں کی

زبانِ حال سے محفل میں پروانے کا خاکستر
شہادت دے رہا ہے تابشِ شمعِ شبستاں کی

فلک کے نیل بے پایاں میں مشرق کے کنارے سے
رواں ہونے لگی ہے ناؤ اب مہر درخشاں کی!
اتارے شاہد خورشید نے ظلمت کے سب پردے
نگاہ جلوہ جو اب دیکھ کر یں حسن تاباں کی!

ابھی تک خواب غفلت میں پڑا ہے بے خبر اظہرؔ
"ارے" کمبخت اُٹھ اور تو بھی کر توصیف رحماں کی

خدا بخش اظہر

غزلیات

(خاص عالمگیر کیلئے)

(۱)

اس قدر لے دل عدو سے مدعا ہو جائیے
مہرباں ہوں وہ تو اُن سے بھی خفا ہو جائیے

کھینچ لیجے دل سے خونِ آرزو کو آنکھ میں
ان کے آگے بے نیازِ التجا ہو جائیے

قیصر و جمشید ان کی بارگہ کو دیکھ کر
جی میں کہتے ہیں کہ اس در کے گدا ہو جائیے

شب ہی اُن کا آستاں ہی پاسباں کا جو رہی
آج آجائے تو ممنونِ قضا ہو جائیے

کھینچ لیجے گوشۂ خلوت سے پہلو میں نہیں
آج دستِ عجز میں زورِ دُعا ہو جائیے

دوڑتا ہے جسم کی ہر رگ میں خونِ آرزو
کس طرح قیدِ محبت سے رہا ہو جائیے

دامنِ وسعت حیاتِ خضر کا دکھلائیے
بحرِ الفت میں حباب آسا فنا ہو جائیے

لامکاں تعمیر کیجے اپنی مشتِ خاک سے
شورشِ محفل میں سازِ بے صدا ہو جائیے

روز پیدا کیجے دامن سے تصویرِ شفق
دیدۂ خونیں سے رودادِ وفا ہو جائیے

جان لینے کے لئے انداز دلکش چاہیئے
میرے دل میں آ کے دردِ لا دوا ہو جائیے

سب سے مل جل کر بھی چلئے سب سے رہئے دور بھی
کارواں میں مثلِ آوازِ درا ہو جائیے

پے بہ پے گر ظلم بیجا ہی تو مطلب ہی یہی!
سر بسر تصویرِ تسلیم و رضا ہو جائیے

آفتاب و ماہ کو بھی یہ تمنا ہے نظیرؔ
دہر میں پروانۂ شمعِ حرا ہو جائیے

خان اصغر حسین نظیر
لدھیانوی

(۲)

کہیں رُسوا نہ کرے لذتِ بیداد مجھے!
تم سکھا دو! ابھی آتی نہیں فریاد مجھے

اے تماشائے چمن چھوڑ دے دامن میرا
ڈھونڈھتا ہوگا قفس میں مرا صیاد مجھے

ہچکیاں موت کی.... پڑھتی رہیں افسانہ مرا
سچ بتانا! کبھی تم نے بھی کیا یاد مجھے

یادگارِ ستم بانیٔ بیداد ہے تو!!
پیار سا آتا ہے تجھ پر، دلِ ناشاد مجھے

رکھدیئے قبر پہ کیوں؟ پھول سی رخسار اٹھیئے
کون کہتا ہے؟ کیا آپ نے برباد مجھے

میری صورت تو یہ کہتی ہے چمن زاد ہوں میں
کوئی پوچھے تو نشیمن بھی نہیں یاد مجھے!

سیفیؔ خستہ جگر ہوں میں رہینِ بیداد
جورِ پیہم نے کیا خوگرِ بیداد مجھے!

سیفی سہواروی

(۳)

وہ بزمِ محبت میں جب جلوہ نما ہوگا
ہر عشوۂ برہم سے اک حشر بپا ہوگا

دوشیزہ نگاہوں کا جب وار کیا ہوگا
دل چھین لیا ہوگا دل چھید لیا ہوگا

لرزہ میں فلک ہوگا وہ چونک رہا ہوگا
مایوسِ محبت نے جب نالہ کیا ہوگا

کہتے ہیں دُعا جس کو وہ تا بہ لب آپہنچی!
آجائیں گے اب وہ بھی وعدہ بھی وفا ہوگا

پھر وجد مجھے آیا پھر جوشِ جنوں اُٹھا
شاید کسی ظالم نے پھر یاد کیا ہوگا

جو بات کہی ہوگی ایسی ہی کہی ہوگی! جو رنج دیا ہوگا ایسا ہی دیا ہوگا
سودائے جبین مجھ کو لایا ہے ترے در تک کیا اب بھی [illegible] کا وعدہ نہ وفا ہوگا
کھویا ہے مجھے دنیا سے اُف! یہ ستم آرائی اے حسنِ ستم آرا کیا حشر ترا ہوگا
امید کی دنیا میں ہلچل سی مچی ہوگی!! اُس نے دلِ بیکس کا جب خون کیا ہوگا
مجرم ہے طبیعت بھی کمزور ہے فطرت بھی پھر مجھ سے خطا ہوگی پھر عذرِ خطا ہوگا
دل مختصر اک ہستی طوفانِ غم اسدرجہ جب ضبط کیا ہوگا کیا حال ہوا ہوگا!
اب حسن کی دنیا میں کھونا ہی مناسب ہے اک روز کوئی مجھ کو خود ڈھونڈ رہا ہوگا
تخلیق کی نیرنگی جب آنکھ میں جھلکے گی ہر شان نئی ہوگی ہر رنگ نیا ہوگا
بجلی سے سوا ہوگی وہ آگ محبت کی! جس آگ کے شعلوں سے پروانہ بنا ہوگا

کیوں آئے گا اے منظر وہ میرے جنازے پر
کیا کچھ اُسے لوگوں نے سمجھا نہ دیا ہوگا

منظر صدیقی سیمابی اکبرآبادی

(۴)

کوئی تو برق تھی نہاں تیری نگاہِ ناز میں حشر سا ہو گیا بپا عالمِ سوز و ساز میں
زہد ہی کیا وہ ہے کہ ہو جس میں جھلک نہ عشق کی تو ہی نظر نہ آئے تو رکھا ہے کیا نماز میں!
بخشا خدا نے عشق کو کیسا ہے عجز و انکسار کیسا بھرا غرور ہے حسنِ جفا طراز میں
ایک ہی بار دیکھ کر چھید ا دل و جگر مرا تیر چھپے ہوئے تھے کیا تیری نگاہ ناز میں
سرمہ بناؤں طور کو کھینچوں اگر اک آہ میں ایسا غضب کا ہے اثر آہِ جگر گداز میں
پوچھ نہ رات کس طرح تیرے فراق میں کٹی اختر شماریاں رہیں غم کی شبِ دراز میں
نالۂ غم کی لے نے آج ان کو بھی خوں رلا دیا درد ہی درد تھا نہاں قلبِ حزیں کے ساز میں

خوف مصیبتوں سے کیوں انجم زار ہے تجھے
رحم کا وصف کیا نہیں خالقِ بے نیاز میں!

انجم

اللہ شوق دے تو کتابیں پھاڑ کر

ضرور پڑھیے

قابل دید کتب — قابل دید کتب

مندرجہ ذیل کتب نہایت دلچسپ سبق آموز اور قابل مطالعہ ہیں۔

شہسوار مصور غم علامہ راشد الخیری کی بہترین تصنیف قیمت ۔۔۔۔۔ ۱۰/

مجسم وفا۔ مولانا عبدالحلیم شرر کا ایک شہرہ آفاق ناول قیمت ۔۔۔۔۔ ۱۲/

خالدہ خانم باتصویر۔ مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب ایڈیٹر عالمگیر قیمت ۔۔۔۔۔ ۱۲/

جنگ بلقان جنگ بلقان کے خونریز مناظر ترکوں کی ضرب المثل بہادری جفظ ناموس الٰہی میں دلیرانہ

فتح قسطنطنیہ سرفروشی غازی انور پاشا کے تعجب خیز کارنامے عشق و محبت کے عجیب و غریب واقعات قابل دید کتاب قیمت ۸/

حافظ محمد عالم صاحب ایڈیٹر رسالہ عالمگیر کی تصنیف قیمت ۔۔۔۔۔ ۸/

قطرات اشک مصنفہ مصور غم علامہ راشد الخیری قیمت ۔۔۔۔۔ ۶/

زمانہ حاضر جوابیاں جنس لطیف کی ذہانت طباعی کے بہترین نمونے قیمت ۔۔۔۔۔ ۶/

محمود شوکت پاشا (باتصویر) ترکی کے ایک جلیل القدر قائد کے کارنامے قیمت ۔۔۔۔۔ ۸/

روایات اسلامی مختلف شعرا کی قومی نظموں کا مجموعہ قیمت ۔۔۔۔۔ ۶/

تذکرہ آب بقا۔ دہلی اور لکھنؤ کے گذشتہ اور موجودہ شعرا کے سوانح حالات و برجستہ کلام قیمت ۱۴/

فلورا فلورنڈا۔ مصنفہ مولانا عبدالحلیم شرر قیمت ۸/

حسن انجلینا مصنفہ مولانا عبدالحلیم شرر قیمت ۴/ بدر النسا کی مصیبت ۳/

بیجرت پاشا مجاہدین اسلام اور مسیحوں کی معرکہ آرائیاں عشق و محبت کے دلچسپ واقعات

مصنفہ میر ارشد دہلوی) قیمت ۸/

انور پاشا بکڈپو حلقہ ۱۲ لاہور

سوانح عمریاں



پیغمبر عالم یا سوانح عمری سرور دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسلامی اخبارات نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ حضور رسول خدا کے حالات زندگی پر یہ نہایت بہترین کتاب ہے کسی مسلمان کا گھر اس سے نہیں رہنا چاہیے کاغذ سفید عمدہ کتابت و طباعت دلفریب قیمت

الفاروق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہایت معتبر و مستند سوانح عمری قبول اسلام خلافت۔ فتوحات شام و ایران جنگی حالات آپکی سادگی علم و تواضع علم و فضل کی مکمل داستان مصنفہ مولانا شبلی

المامون مامون الرشید کے عہد میں اسلام اپنے عروج و اقبال کے کیسے کیسے جانفزا نظارے دکھا چکا انتظام رواداری اسلامی سطوت کی شان دار مثالیں یہ زمانہ خلافت رشیدہ کے نام سے موسوم ہونیکا کیا ہوا مصنفہ علامہ شبلی قیمت

خالد بن ولید مسلمانوں کے مشہور سپہ سالار حضرت سیف اللہ کے حالات تاریخ اسلام کے پرجوش باحمیت کارناموں کی شاندار کیفیت ضرور نگاہ کر دیکھئے قیمت

ظہور امام مہدی انقلاب موجودہ و آئندہ کے سنسنی خیز حالات و واقعات کے علاوہ دوسو معجزات نبویہ و مسائل درج ہیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے حالات سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ یعنی قیامت کا ظہور کب ہوگا۔ قیمت

ابو مسلم خراسانی علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال قاہرہ مصر کے ایک بہترین ناول ہے جسمیں اسلامی تاریخ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے عشق و محبت کے دلدوز واقعات نے کتاب کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے ضرور ملاحظہ کریں قیمت

ملنے کا پتہ۔ انور پاشا بکڈپو حلقہ ۲ لاہور

ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

اللہ اکبر

نومبر ۱۹۲۶

مصوّر مجلّہ

عالمگیر

لاہور

رئیس التحریر

حافظ محمد عالم

قیمت سالانہ عہ

قیمت فی پرچہ ۵ر

حافظ محمد عالم پرنٹر و پبلشر نے کاپر پروسیسٹم پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر عالمگیر بازار سید مٹھا سے شائع کیا

بہترین عطر اور تیل

اگر آپ کو

نہایت اعلیٰ اور مفید روغنیات اور عطریات وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ہمارے کارخانہ "بہارستان" حلقہ نمبر ۱۲ لاہور سے طلب فرمائیے ہمارے نرخ دوسروں سے ارزاں اور تیل و عطریات دوسروں سے بہتر اور مفید ہیں۔ قیمتیں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

تیلوں کے نرخ

نام روغن	درجہ	بوتل سالم	بوتل نصف	نام روغن	درجہ	بوتل سالم	بوتل نصف
روغن گلاب	خاص	لے	ہے	روغن مولسری	خاص	ے	ہے
روغن چنبیلی	〃	ے	ہے	روغن حسن عنبری	〃	ے	ہے
روغن کیوڑہ	〃	ے	ہے	روغن کرنا	〃	ے	ہے
روغن موتیا	〃	ے	ہے	روغن جوہی	〃	ے	ہے
روغن حنا	〃	للعہ	عہ	روغن فلا پیر آئل	〃	ے	ہے
روغن بسفایہ	〃	للعہ	عہ	روغن ترپھلا	〃	للعہ	عہ
روغن ہار سنگھار	〃	ے	ہے	روغن آملہ	〃	للعہ	عہ

عطروں کے نرخ

نام عطر	فی تولہ درجہ اول	درجہ دوم
عطر کیوڑہ	عا	عہ
عطر موتیا	عا	عہ
عطر حنا	عا	عہ
مشک عنبر	عا	عہ
عطر چنبیلی	عا	عہ
عطر نرگس	عا	عہ
عطر جوہی	عا	عہ
عطر حسن	عا	عہ
عطر مولسری	عا	عہ
عطر ہار سنگھار	عا	عہ
عطر کرنا	عا	عہ
عطر کستوری	عا	عہ
عطر بادردی	عا	عہ
عطر گلاب	عا	عہ

ملنے کا پتہ: بہارستان حلقہ نمبر ۱۲ لاہور

عالمگیر

فہرست مضامین

جلد ۳ | بابت ماہ جمادی الثانی مطابق نومبر ۱۹۲۵ء | نمبر ۶

تصویر —— غالب خانم و لطیفہ خانم

ملاحظات

اگر ہمارا ذاتی اختصاص نیاز کسی کی خدمت میں بہت زیادہ گستاخ ہو، اور ہم فرمانِ پردہ پوشی کو کمالِ بیباکی خلوص کے ساتھ تحریک جلوہ گری میں عریاں کر دیں۔ تو ہم قابلِ عفو ہیں۔ اور ہماری مخصوصیتِ نیاز لائق درگزر ——— محترمی حضرت اختر شیرانی الافغانی جن کا ذوق شعر و انشا ادبی دُنیا میں اِک مخصوص پایہ رکھتا ہے۔ ہمیں معاف فرمائیں، کہ ہم ان کی لطیف تحریر "فریبِ نظر" کو ان کے تقاضائے پردہ داری کے باوجود ان کے محترم نام کیساتھ شائع کر رہے ہیں ——— واقعہ یہ ہے کہ یہ مضمون جو ان کی انشائے لطیف کی اس نوع کی پہلی مثال ہے۔ سرتا سر ہماری ہی نیازمندانہ مساعی کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے ہمارے اصرار پیہم سے مجبور ہو کر اس کی تکمیل کا وعدہ تو کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی پیش کر دی، کہ "دیکھئے اسے میرے نام سے شائع نہ کیا جائے۔" ہم نے مصلحت وقت سمجھ کر ان کی یہ شرط مان لی۔ لیکن اب مضمون کی شوخ نگاریوں کے لطف کو مکمل، اور ایک زبردست شاعر کی زندگی کے ایک مخصوص، پرشباب اور پُر اسرار معاشری لمحہ کو بے حجاب کرنے کے لئے ہم نہایت شاعرانہ اور اس سے زیادہ "مدیرانہ" جرأت سے کام لیکر "نقض شرط" کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور ناظرین سے اپنی ان رنگین بیباکیوں کی داد چاہتے ہیں۔

فریبِ نظر ادب کے ایک ایسے دلاویز رنگ میں ڈوبا ہوا ہے جس کے لئے کوئی خاص عنوان نہیں۔ لیکن میرا دعوےٰ ہے کہ اسے اِک ذرا سی کوشش سے ادب کی مستقل ایک قسم بنایا جا سکتا ہے۔ اس سے ایک اچھوتا اور دلچسپ آرٹ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ محبت کی ایک ہلکی سی پھسلتی ہوئی نظر کے مسحورانہ اثرات کے اظہار کو فلسفہ، نفسیات، جذبات، شاعری، موسیقی اور مصوری سے جس دلکش انداز میں لبریز کر دیا گیا ہے۔ فاضل ادیب کے کمال ہمہ گیری پر دال ہے۔ بالخصوص جذبات و حسیات کے تحت میں جہاں کہیں کوئی فقرہ زبان قلم سے بیساختہ نکل گیا ہے۔ بے پناہ ہو گیا ہے۔ اتنا بے پناہ کہ نقل کئے بغیر نہیں رہا جاتا۔

"آخر ان نشیلی نظروں کی گہرائیوں میں، آہ ان رسیلی آنکھوں کی سپیدیوں اور سیاہیوں میں وہ کونسا اک مشترک راز ہے، جسے میں ہزار کوششوں کے باوجود نہیں سمجھتا، نہیں سمجھ سکتا"

ایک اور فقرہ ملاحظہ ہو:-

"میں نہ معلوم کیوں یہ سمجھتا ہوں۔ ان میں میرے لئے اک ایسا پر اسرار پیغام چھپا ہوا ہے، جسے میں محسوس تو کرتا ہوں مگر جان نہیں سکتا۔"

الغرض یہ اختراع ادبی جس کی اشاعت پر عالمگیر کو فخر ہے، کیا اس لائق نہ تھی کہ اسے گمنام شائع کیا جاتا ——— ہم آخر میں اپنے محترم ادیب کی خدمت میں عفو کی امید رکھتے ہوئے ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں کہ موصوف نے عالمگیر کو اس دلکش مضمون سے محروم نہ رکھا۔

کارِ نمایاں کے عنوان سے اس نمبر میں جو دلاویز فسانہ زیب نظر ہوتا ہے۔ ملک کے ایک فاضل سحر نگار افسانہ نگار کے تراوش فکر کا نتیجہ ہے، حضرت رفیعی اجمیری جن کا نام نامی بہتوں کے لئے بالکل نیا ہوگا۔ اپنی فسوں طراز انشا پردازی کی وجہ سے ہمارے تعارف کے محتاج نہیں، کارنمایاں کے مطالعہ کے بعد آپ آپ اچھی طرح اندازہ کر سکینگے، کہ لکھنے والا ادبی دنیا میں کیا پایہ رکھتا ہے۔ لیکن اسے اردو ادب کی بدنصیبی کہئے، کہ آپ شہرت سے بیزار ہیں۔ اور نام کی خاطر کبھی کچھ لکھنا پسند نہیں فرماتے، ہم محترمی ابو المعانی حضرت اختر شیرالافغانی کے ممنون ہیں، جن کی سفارش نے زبردست مگر خاموش انشا پرداز کی سحر نگاری سے عالمگیر کے اس نمبر کو فردوس نظر بنا دیا

ع کرم کردی الٰہی زندہ باشی

گلگشت صحن باغ شب مہتاب میں کے عنوان سے حسب وعدہ حضرت عندلیب شادانی کی دلکش نظم باصرہ نواز ہوتی ہے۔ یہ نظم جن سحر طرازیوں اور ادب نوازیوں کی حامل ہے میں اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں، مناظر کے دلآویز اثرات کا اظہار کرتے ہوئے حسن و عشق کی دلکش کیفیت کو جس انداز میں سپرد قلم کیا ہے، اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔

دہقانی دوشیزہ میں جناب ابوالفضل رازؔ چاندپوری نے (جو ہمارے سرگرم قلمی معاون ہیں) دیہات کی ایک ایسی دلکش معاشری کیفیت کو قلمبند کیا ہے۔ جو اکثر پیش آتی ہے، گاؤں کے حسن سادہ کو جس رنگین پیرایہ میں پیش کیا ہے مستحق تحسین و آفرین ہے۔

گریہ حسن۔ جناب ثاقب کانپوری اپنی رنگین نوایوں کے سبب علمی دنیا میں کافی متعارف ہیں۔ "گریہ حسن" آپ کے رشحات قلم کا ایک دلگداز نقش ہے، حسن مغموم کے انداز ماتم کو بہت دلکش اور مؤثر لہجہ میں بیان کیا گیا ہے۔

خمسہ۔ نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر ناظمؔ والیٔ ریاست رامپور (تلمیذ مرزا غالب) ایک نہایت باذاق شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان کی ایک غزل جس کا پہلا مصرعہ ہے "میں نے کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط" اردو میں ایک غیر فانی یادگار ہے۔ اس غزل کو امام الشعرا حضرت کیفؔ نے جس خوبی سے "تضمینا" ہے۔ اس سے آپ کی اُستادی کا سکّہ دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ کہیں کہیں تو مصرعے باہم ایسے دست و گریباں ہو گئے ہیں کہ ایک ہی سخنگو کے بحر جذبات کی متحد لہریں معلوم ہوتے ہیں۔ ہم ممدوح کے شکر گزار ہیں۔ کہ آپ نے عالمگیر کو یہ افتخار بخشا۔

خسرو باغ۔ جناب ناظرؔ الہ آبادی نے جس دلکش انداز میں مضمون لکھا ہے، تاریخ دوست حضرات کے علاوہ "ادب طلب" نگاہوں کے لئے بھی موجب دلکشی ہو سکتا ہے۔

پہلی جھلک میں ایک معصوم بنگالی لڑکی کے جن پاکیزہ جذبات کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اس کے لئے مسٹر روشن لال نیئرؔ بنگالی داد کے مستحق ہیں۔

تصویر۔ اس اشاعت میں غالب خانم زوجہ فتحی بے پریسیڈنٹ ٹرکش اسمبلی اور لطیفہ خانم کی تصویر شریک اشاعت ہے۔ لطیفہ خانم متعدد زبانوں کی ماہر ہیں۔ مصطفےٰ کمال پاشا کے نکاح میں آنے کے بعد آپ ساری دنیا میں مشہور

ہوگئی ہیں۔ حال ہی میں پاشائے موصوف نے انہیں طلاق دیدی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین نے اس سے پہلے بھی ان کی تصویر دیکھی ہوگی، طلاق کے بعد ایک بار اور تصویر کا معائنہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ہمارے محترم فسانہ نگار جناب محمد ضیاء الدین صاحب شمسی کا جو عدیم النظیر اور فقید المثال افسانہ گزشتہ نمبر میں شائع ہوا تھا، اُسے مُلک نے نہایت استحسان کی نظروں سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ملک کے زبردست ادیبوں کے گرامی نامے ہمیں موصول ہوئے ہیں۔ جن میں اس کی بیحد تعریف کی گئی ہے۔ یہاں صرف مُلک کے کہنہ مشق مسلم الثبوت ادیب جناب مولانا مولوی وحید الدین صاحب سلیم کی رائے کے اقتباس پر اکتفا کی جاتی ہے۔ حضرت ممدوح نے اپنے ایک گرامی نامہ میں مجھے تحریر فرمایا ہے کہ "شمسی صاحب کی خدمت میں ایسا کامیاب افسانہ لکھنے پر میری طرف سے مبارکباد پیش کریں۔" حقیقت یہ ہے۔ کہ ایسے افسانے اُردو میں بہت کم لکھے گئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض "کوتاہ نظر" اسے "خود بینی" کی عینک سے ملاحظہ فرمائیں۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا ضمیر انہیں ضرور اصلی بات بتا دیتا ہوگا ؎

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ　　قبولِ خاطر و حسن سخن خدا داد است

پچھلا نمبر مُلک میں اسقدر مقبول ہوا ہے۔ کہ دفتر میں کوئی کاپی نہیں بچی۔ اور اہل ذوق کے تقاضے ابتک جاری ہیں۔ اور ان تقاضوں سے مجبور ہو کر میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو حضرات اپنے اکتوبر کے پرچے بشرطیکہ وہ خراب نہ ہوئے ہوں واپس کرنا چاہیں، میں اس کے تبادلہ میں اپنی تالیف خالدہ خانم پیش کر سکتا ہوں۔ جس میں خالدہ خانم وزیر تعلیمات انگورہ کی تصویر بھی ہے۔

خاص نمبر۔ ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ دسمبر میں عالمگیر کا ایک مہتم بالشان خاص نمبر شائع کیا جائے۔ کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ یہ ہر پہلو سے علمی و ادبی اور شاندار تحفہ ثابت ہو، ملک کے مشہور اہل قلم حضرات کے بہترین مضامین موصول ہو رہے ہیں۔ ایک ایسی بہترین لاجواب رنگین تصویر بھی شائع ہوگی۔ جو فن مصوّری کی سحر کاریوں کا دلکش نمونہ ہے۔ الغرض بحیثیت مجموعی یہ نمبر اپنی

نظیر آپ ہوگا۔

ناظرین کرام ابھی شاید میرے ان مالی نقصانات سے واقف نہیں۔ جو رسالہ کو اس اعلےٰ پیمانہ پر شائع کرنے میں مجھے برداشت کرنے پڑے ہیں۔ میں جس ہمّت سے کام لیکر عالمگیر کو باوجود خسارہ کے چلا رہا ہوں۔ وہ کسی عبرتناک افسانہ سے کم نہیں۔ پہلے جس وقت میں نے تصویر دینے کا اعلان کیا' اس وقت خیال تھا کہ رسالہ کا حجم معہ اشتہارات ۵۶ صفحات ہوگا۔ لیکن میں ہمیشہ اسے ولایتی کاغذ پر ۶۴ صفحات کی ضخامت میں شائع کر رہا ہوں۔ اور آئندہ بھی بفضلہٖ تعالےٰ اس ضخامت کو کم نہیں کیا جائیگا۔ قارئین عظام سے صرف اسقدر گزارش ہے کہ اگر انہیں عالمگیر سے ہمدردی ہے (اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ ہو) تو اس کا بہترین اظہار صرف "توسیع اشاعت" ہوسکتی ہے۔ میں ان معاونین کرام کی خدمت میں اپنے قلبی جذبات تشکر پیش کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنی حقیقی علمدوستی اور ادب نوازی سے کام لیکر عالمگیر کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی۔

آخر میں میں اپنے ان معزّز خریداروں سے جن کی میعاد خریداری ختم ہو چکی ہے بعروضہ پرداز ہوں' کہ دسمبر کا عالمگیر جو خاص نمبر ہوگا۔ ان کی خدمت میں وی پی کی صورت میں حاضر ہوگا۔ عالمگیر نے آپ کی ادبی دلچسپی کی خاطر جیسی کچھ قربانیاں کی ہیں' اور اب وہ اپنی حیرت انگیز ارزانی کے باوجود تصویری اور تحریری دلآویزیوں میں جو ترقی کر رہا ہے' اس کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اُمید بلکہ یقین ہے کہ آپ اسے اپنی نظروں سے جُدا کرنا گوارا نہ فرمائینگے۔ اور وی پی وصول کر کے مجھے "بدستور" شکریہ کا موقع دینگے۔

حافظ محمد عالم عفی عنہ

خسرو باغ

(الہ آباد)

اس تاریخی باغ کے ہر چہار طرف قدِ آدم سے کہیں بلند سنگین (پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی)۔ دیواریں بنی ہیں مشہور ہے۔ کہ قلعہ الہ آباد کی تعمیر سے جو باغ سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے جو سامان بچتا تھا۔ اُسے جہانگیر ان دیواروں کی تعمیر کے کام میں لایا تھا۔ باعتبار مضبوطی کے جو مغلیہ عمارات کی امتیازی خصوصیت ہے۔ یہ دیواریں اپنی آپ نظیر ہیں۔ جمنا کے پل سے گذر کر جب ریل شہر کے اندر داخل ہوتی ہے۔ تو اُونچے اور سرسبز درختوں کے درمیان شاہی باغ کے کنگرے مسافروں کے سامنے عجیب دلکش نظارہ پیش کرتے ہیں۔ جنوبی دیوار کے وسط میں ایک عالیشان خوبصورت دروازہ بنا اور اُس میں ایک بڑا چوبی پھاٹک لگا ہُوا ہے۔ پھاٹک کے اوپر فارسی کتبہ موجود ہے۔

یہ عمارت جہانگیر کے نام سے منسوب ہے۔ جو زمانہ شاہزادگی میں اُس کی تفریح گاہ تھی۔ اور بعد میں اس کے باغی بیٹے خسرو کے قبضہ میں آئی۔ اس عمارت کو شاہی معمار آغا رضا کے شاگرد نے بنوایا تھا۔ مقبرہ کی عمارت نہایت خوبصورت ہے۔ اور اکبر کے روضہ واقعہ سکندرہ ضلع آگرہ کی طرح نقش و نگار سے مزین تھی۔ سب سے پورب جو مقبرہ ہے۔ اور چاروں مقبروں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اُس میں شاہزادہ خسرو دفن ہے۔ اندروں روضہ گنبد کے قریب جو فارسی کتبہ ہے۔ اُس سے ۱۰۳۱ھ ہجری یا ۱۶۲۲ء سال وفات نکلتا ہے۔ مہینہ جنوری یا فروری کا ہوگا۔ اندروں روضہ فارسی کے یہ اشعار تحریر ہیں ؎

آہ افسوس آسمان را سیرت بیداد شد	آرے آرے کار چون بر ظلم آمد داد شد
اہل او باش اند آگاہ از فلک کا حدث او	بر کجا زو شعلہ خاکستر ش بر باد شد!!
گلعذارے را طراوت چیست کافر خارِ مرگ	از پی چاک خبا صد سوزن فولاد شد
آن گل رعنا کہ بود آرای گلشن صد دریغ	عندلیبان را برنگ و بوئ او دل شاد شد
شد قبا بر قامت مردم قبا در ماتمش	شاہ خسرو را بسوی خلد چون ارشاد شد

شد عریق رحمتِ حق چون ولی پاک بود خاص درگاہِ خدا او ہمدم اوتاد شد
زندگی زد خیمہ بیرون از دیارِ خرمی دید چون بنیادِ عالم را خراب آباد شدا
گلبن ہر جا کہ بینی برگ زبر اند بجاست بلبل این باغ بودن مصلحت از باد شد
چون بلبل رانم حدیثش را کہ میسوزد باہ مشکل است اما جہان تاہمت این معتاد شد
چاک پیراہن شد از خار قضا در باغ غم ہم زمین مگر لیست ہم از آسمان فریاد شد
آن تنِ نازک کہ بروی بود پیراہن گران در تہِ خاک جفا افسوس استعداد شد
سلمی ارشد سال فوتش فیض لائق باز گو صفحہ جنت زجان پاک او آباد شدا

دوسرا مقبرہ خسرو کی بہن کا ہے جن کی وفات ۱۶۲۵ء میں ہوئی ہے۔ اس میں بھی بہت سے کتبے ہیں جو زمانہ کی وجہ سے ٹھیک طور پر پڑھے نہیں جاتے۔

تیسرا مقبرہ خسرو کی ماں کا ہے۔ جو مہاراجہ مان سنگھ کی ہمشیرہ تھیں۔ ایک کتبہ سے سال وفات ۱۶۲۱ء برآمد ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا مزاج سودائی تھا۔ افیون کھاکر خودکشی کرلی تھی۔ اصلی قبر اندروں روضہ ہے۔ اور چھت کے اوپر سنگ مرمر کا نقلی مزار بنادیا ہے۔ جس کے اوپر خوشنما گنبد ہے۔ لوحِ مزار پر یہ قطعہ تحریر ہے ؎

چون چرخ فلک زگردش خود آشفت در زیر زمین آئینہ خود بنہفت!
تاریخ وفات شاہ بیگم جستم!! از غیب ملک بخلد شد بیگم گفت

رباعی گرد تربت

بیگم کہ زعفت رخِ رحمت آراست اقلیم عدم زنور عزت آراست
سبحان اللہ زہے کمال عفت کز حسن عمل چہرہ جنت آراست

وسط باغ میں صدر دروازہ کے مقابل چوتھا مقبرہ ہے۔ قبر کا نشان نمایاں نہیں ہے۔ مگر مشہور ہے۔ کہ تمبنولس کا مقبرہ ہے۔ جیسا فتح پور سیکری میں اسنبولی بیگم کا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے خسرو کی ایک بہن نے ۱۰۳۴ھ ہجری میں اس مقبرہ کو اپنے لئے بنوایا تھا۔ لیکن وفات دوسری جگہ واقع ہوئی اس لئے یہ عمارت خالی ہے۔ اندروں گنبد بہت سے اشعار بخط نستعلیق مرقوم ہیں۔ اب ضائع ہوگئے ہیں

ایک مصرعہ یہ ہے۔

خورم آن روز کہ مارخت ازین خانہ بریم

دروازہ روضہ پر تاریخ تعمیر تین بیت میں کندہ تھی۔ اُن میں سے دو یہ ہیں ؎

بعہد ملایک رحمت ہمیشہ نورنثار ۔۔۔ نہے نمونہ خلد برین لمرکز خاک
خرد زسال بنائش بصفحہ فکرت ۔۔۔ نوشت باقلم افراغ روضہ پاک

خسرو

عوام امیر خسرو اور سلطان خسرو کو شخص واحد تصور کرتے ہیں حالانکہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ ایک اگر اقلیم سخن کا تاجدار ہے۔ تو دوسرا تیموری نسل کا گوہر شاہوار اور تخت طاؤس کا دعویدار۔ جس طرح دنیائے اسلام میں خلفائے عباسیہ کا عہد آسمان عروج وکمال کا آفتاب بنکر نصف تک پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح کم وبیش ایک ہزار برس کی ہندوستان میں اسلامی حکومت کا خلاصہ تہذیب وشائستگی صرف مغلوں ہی کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ مغلوں کے عہد میں ہندوستان کا باوا آدم ہی بدل گیا تھا۔ ہندوستانیوں کے رفتار گفتار، طرز معاشرت، تمدن، رسم ورواج حتیٰ کہ بعض خصوصیات مذہب میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی۔ مغلوں نے ہندوستان کو کس حالت میں پایا اور اُسے ترقی وکمال کے کس درجہ پر پہنچا کے چھوڑا۔ یہ اب کوئی راز نہیں رہا۔ ہندو مسلمانوں کے اختلاط کی یہ حد تھی کہ مناکحت وازدواج تک کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا۔ راجپوت راجاؤں نے بطیب خاطر شاہزادگان کو بیٹیاں دینی شروع کردی تھیں۔ خاندان شاہی کا سلسلہ امتزاج وازدواج اکبر کے عہد سلطنت کا مخصوص کارنامہ ہے۔ اُس نے خود اپنی شادی کئی راجپوت شاہزادیوں کے ساتھ کی۔ اپنے بیٹے جہانگیر کا عقد جبکہ اُس کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ امبر کے راجہ بھگوان داس کی لڑکی کے ساتھ ۹۹۳ھ میں خود بدولت راجہ کے گھر جا کر کردیا۔ بھگوان داس امرار دولت میں عظیم پایہ اور راجگان میں بڑے شان وشوکت کا راجہ تھا۔ اس بیگم کے بطن سے رمضان ۹۹۵ھ میں شاہزادہ خسرو لاہور میں پیدا ہوا اکبر کی وفات پر اُس کے وزیر اعظم خان نے جو سلطان خسرو کا خسر تھا۔ بامداد راجہ مان سنگھ جو خسرو کی والدہ خسرو کا بھائی تھا۔ یہ چاہا کہ تخت سلطنت پر جہانگیر کی بجائے خسرو کو بیٹھایا جائے۔ استحقاق وراثت

کے سلسلہ میں جو سازش اس کا نتیجہ ہو نکلا۔ کہ خسرو گرفتار کر لیا گیا۔ جہانگیر کہتا ہے۔ کہ غرور جوانی "ناتجربہ کاری" نااہل مصاحبین کی ناعاقبت اندیشی سے خسرو کے دل میں خیالات فاسد پیدا ہوئے۔ خاصکر اُس زمانہ میں جب اکبر بیمار تھا۔ اور بعضوں نے اپنے تقصیرات اور جرایم سے خائف ہو کر مہمات سلطنت کاموں سے مختار بنانا چاہا۔ حالانکہ یہ اُن کی غلطی تھی۔ وہ اس امر سے غافل تھے۔ کہ امور سلطنت ایسا کام نہیں ہے۔ کہ چند ناقص عقل والوں کی سعی سے انتظام پاوے۔ اس مہتم باشان کام کے لئے خدا جسے بناتا ہے۔ اسی کو یہ خلعت فاخرہ عطا کرتا ہے۔

روا رندہ نتوان ستد بخت را نشاید خرید افسر و تخت را!
سرے را کہ حق تاج پرور نمود نشاید از و تاج و دولت ربود

جہانگیر خاطر و تواضع سے ہمیشہ خسرو کی بے فایدہ تسلی و تشفی کرنی چاہتا تھا۔ ۸ ذی الحجہ کو اکبر کی قبر کی زیارت کا کر کے خسرو ۳۸۰ سوار ساتھ لئے فرار ہوا۔ جہانگیر نے امیر الامرا کو حکم دیا۔ کہ خسرو کو گرفتار کر لائے۔ اور یہ بھی کہدیا۔ کہ اگر نصیحت کارگر نہ ہو۔ اور خسرو نہ مانے تو جو کچھ تجھ سے بن آئے در گزر نہ کرنا۔ سلطنت میں خویشی و برادری نہیں ہوتی پر خیال کیا کہ امیر الامرا سے خسرو پہلے سے آزردہ خاطر ہے۔ مبادا کوئی اتفاق بدپیش آئے۔ معز الملک کو حکم دیا کہ جا کر اُسے لوٹا لائے۔ اور خسرو کے ارادہ سے واقف ہو کر کہ وہ پنجاب کی طرف جا رہا ہے۔ دوسرے دن صبح کو خود پریشان حال تعاقب میں روانہ ہوا مخمور اور عیش پرست جہانگیر کی (جیسا کہ اُسے بدنام کرتے ہیں۔) تزک اُٹھا کر دیکھو اور انصاف کرو۔ کیا ظالم بادشا ایسے ہی ہوتے ہیں؟ اس کی جگہ لکھتا ہے۔ "سوداگروں اور مسافروں کا اسباب ان بچوں کا مال تھا۔ وہ جہاں جاتے عورتوں اور بچوں کو ستاتے۔ خسرو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ کہ باپ دادا کی پر کیا ستم ٹوٹ رہا ہے۔ ان بدبختوں کے افعال ناشایستہ کو دیکھکر ایک ساعت میں ہزار بار لڑنے کی آرزو کرتا۔ اب بغیر تنبیہ چارہ کار نہیں۔ اگر اس کا بخت و اقبال یاور ہوتا تو ندامت پریشانی اختیار کرتا۔ اور بعد کسی خوف و ڈر کے میرے پاس حاضر آتا۔ خدا جانتا ہے۔ کہ میں اُس کی خطاؤں سے درگزر کرتا۔ اور اس قدر لطف و شفقت کرتا کہ اُس کے دل میں بال برابر بھی تفرقہ و خدغہ نہ رہتا۔ حضرت جنت آشیانی (اکبر) کے واقعہ میں (تلمیح طلب) بعض مفسدوں کی فتنہ پردازی سے اس کے دل میں خیالات پیدا ہوئے۔ وہ جانتا تھا کہ مجھے معلوم ہیں۔ اس لئے وہ میری شفقت پدری پر اعتماد نہیں کرتا تھا میری

شاہزادگی میں خسرو کی ماں نے اُس کی اطوار واوضاع کی ناخوشی سے اور چھوٹے بھائی مادھو سنگھ کے سلوک سے آرزدہ ہوکر افیون کھاکر اپنے تیئں ہلاک کیا۔ اُس کی خوبیوں اور نیکیوں کا کیا بیان کروں اُس کی عقل کامل تھی۔ میرے ساتھ اُسے اس حد تک اخلاص تھا کہ وہ میرے ایک موئے تن پر ہزار بچے اور سپاہی قربان کردیتی۔ میرا یہ حال ہوا۔ کہ زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ کھانے پینے کو جی نہ چاہتا چار شبانہ روز میں بے آب ودانہ رہا۔ پدر بزرگوار نے شفقت نامہ لکھا۔ اور خلعت ودستار اپنے سر سے اُتار کر میرے پاس پہنچی۔ اس شفقت پدری نے آتش غم پر پانی ڈالدیا۔"

اس بیگم کے دماغ میں یبوست اور مزاج میں سودائیت کا مادہ زیادہ تھا۔ اور چونکہ خسرو اکبر کے ہمراہ تھا۔ اور دعویدار سلطنت بنتا تھا۔ اس غم نے ماں کو گھلا دیا۔ ایک روز جہانگیر شکار کو گیا لونڈیوں سے چھپاکر افیون کھائی اور فوت ہوگئی۔ جہانگیر پر اُس کی وفات کا سخت اثر پڑا۔ جہانگیر نے ۲۹ ذی الحجہ روز یکشنبہ بوقت صبح خسرو کو معہ اُس کے ساتھیوں بدخشی مرزا شاہرخ وحسن بیگ وعبدالرحیم گرفتار کراکے پابزنجیر حضور میں طلب کیا۔ خسرو قیدخانہ میں بھیجا گیا۔ حسن بیگ کو پوست گاو اور عبدالرحیم کو پوست خر میں بند کرکے اور دراز گوش پر اُلٹا بیٹھاکر، بعضوں کو گدھوں پر سوار کراکے تشہیر کرایا گیا۔ باغ کامران سے شہر تک دورویہ خسرو کے بقیہ رفقا دار پر لٹکادیئے گئے۔ اقبالنامہ میں لکھا ہے۔ کہ خسرو کو ہاتھی پر بیٹھایا اور رفقا کے درمیان پھرایا گیا۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ بروز پنجشنبہ محرم ۱۰۱۵ھ خسرو کو مرزا کامران کے باغ میں دست بستہ وپابجولاں رسم چنگیزی بائیں طرف سے میرے روبرو لائے حسین بیگ کو اُس کو داہنے طرف اور عبدالرحیم کو بائیں طرف کھڑا کیا۔ خسرو لرزہ براندام کھڑا روتا تھا۔ ایک مدت تک شاہزادہ نے قید وبند میں بسر کی۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ ۲۱ صفر کو میں نے خسرو کو بلوایا۔ بیڑیاں نکلوائیں اور شہر آرا باغ کے سیر کی اجازت دی۔ میرے جی نے نہ مانا کہ میں اُسے باغ کی سیر سے محروم کروں مگر خسرو اپنے ارادہ فاسد سے باز نہ آتا تھا۔ یہاں بھی اُس نے باپ کے قتل کی سازش کی مگر ناکامیاب رہا۔ آخر جہانگیر کے خوف سے بھاگ کر الہ آباد آیا۔ اور یہیں مقیم رہا۔ یہاں تک کہ ۳ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ کو انتقال کرگیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ جہانگیر نے خسرو کی آنکھوں میں سلائی پھروادی تھی۔ مگر بعد میں کسی حکیم حاذق سے اُس کا علاج کروایا۔ ایک آنکھ بالکل اچھی ہوگئی۔ دوسری میں نقص رہ گیا۔ جعلی خسرو نے جو افغانستان میں پیدا ہوا تو آنکھوں کے نشان سے اپنے کو پہنچوایا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے

کہ مرزا خورم (شاہجہان) جب جہانگیر کے حکم سے دکن کی تسخیر کو جا رہا تھا۔ تو خسرو کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ اور ۱۰۳۱ھ میں وہیں قتل کر ڈالا۔ جیسا کہ عزت خان لکھتے ہیں۔ کہ خسرو دکن میں شاہجہان کے ساتھ گیا وہیں مسموم ہوا۔ جہانگیر نامہ میں لکھا ہے۔ کہ نویں تھمن ماہ الٰہی سنہ مذکور کو دکن میں بعارضہ درد قولنج وفات پائی۔ واقعہ یہ ہے کہ ربیع الثانی ۱۰۳۱ھ ہجری میں شاہجہان نے خسرو کو ملک عدم روانہ کیا۔ جہانگیر نے نشہ کی حالت میں خسرو کو شاہجہان کے حوالہ کر دیا تھا۔ زبان خلق کے اندیشہ سے دوسرے روز ارکانِ دولت نے یکبارگی تعظیم و تکریم تکبیر و درود کے نعروں کے ساتھ اُٹھائی برہان پور سے لیجاکر عالم گنج میں دفن کیا۔ مظلوم خسرو کی بیچارگی پر زن و مرد نالان کنان ہے۔ شب جمعہ میں اُس کے قد پر ایک عالم زیارت کے لئے جمع ہوتا تھا۔ یہاں سے اُس کی نعش الٰہ آباد کو منتقل کی گئی۔ جہانگیر نامہ میں لکھا ہے۔ کہ "بعد تکفین و تدفین حسب الحکم بادشاہ نعش اور اجیت احتقاق شہادت اواز قبر برآوردہ بودند شاید کہ بعد ازاں روانہ الٰہ آباد پر کردہ باشند زیرا کہ قبر مادرش درآنجا بود"

بعد از وفات تربت از زمین مجو! در سینہ ہای مردم عارف مزار ماست!

(سید السجان ناظر الٰہ آبادی)

موسیقی مخمور

آوارۂ طوفاں کو سنورنا نہیں آتا
ڈوبی ہوئی کشتی کو ابھرنا نہیں آتا!!

ہرگام پہ ہوتا ہے گماں حدِ عدم کا!
شاید مجھے دنیا سے گزرنا نہیں آتا!

میرے دلِ مجروح کی چوٹوں کے مقابل
گلزار کے پھولوں کو نکھرنا نہیں آتا!

اے عشق جسے خوف ہو پیغام اجل کا
اُس کو تری آغوش میں مرنا نہیں آتا

جوشِ مئے انگور کی مانند ابھر کر!!
موجِ یم اُلفت کو اُترنا نہیں آتا

شادابیٔ اُمید کی بندش میں لطیفیؔ!!
شیرازۂ ہستی کو بکھرنا نہیں آتا!

(شیخ) محمد حسن لطیفی

گلگشت صحنِ باغ شبِ ماہتاب میں

یہ بزمِ فطرت
یہ نظمِ قدرت
تصویرِ ندرت
تکمیلِ صنعت
بینندہ ششدر ۔ اللہ اکبر
ساکن فضا میں
اک بیہشی سی
موجِ صبا میں
اک سرخوشی سی
دوشِ ہوا پر ۔ نکہت کی چادر
کیفیتوں سے
معمور ناظر
محویتوں سے
مسحور خاطر
حیران ۔ خاموش ۔ مبہوت ۔ مدہوش
نہرِ سُبک رَو
مہتاب پرتَو
آئینۂ ضَو
انوار کی رَو
اے شانِ باری ۔ یہ سحر کاری

پانی کی چادر
نورِ قمر سے
بلّور یکسر!
یا یوں سمجھئے
پگھلا کے چاندی ٭ گویا بہا دی
مہ کی شعاعیں
نہروں میں رقصاں
یا بدلیوں میں
برقِ درخشاں
موجود و لاشے ٭ ہے اور نہیں ہے
غنچوں پہ رقصاں
موجِ تبسم!!
لہروں میں پنہاں
سازِ ترنم!
یہ روح پرور ٭ وہ کیف آور
معکوس کرنیں
ہیں بلبلوں میں
یا قمقموں میں
برقی شعاعیں
تاروں کی لگ بھگ ٭ جگ مگ جگا جگ

فوارۂ یکسر
سرمایۂ ضَو
قطروں کے اندر
انجُم کا پَرتَو
سروِ چراغاں ٭ گویا فروزاں
پانی میں ہلنا
عکس قمر کا
سینہ میں گویا
دل کا تڑپنا
اے کاش اِس دم ٭ ہوتیں وہ ہمدم
اک پیکرِ ناز
سرتاسر انداز
طاؤس طنّاز
خانہ بر انداز
اٹھلاتی آئی ٭ بل کھاتی آئی
چشم گلابی
مستی در آغوش
ابرُو ہلالی
غارتگرِ ہوش
آہو نگاہیں ٭ وحشی بناویں

سیمائے روشن
مینائے گردن
گدرایا جوبن!
محشر بہ دامن
مستِ جوانی ٭ رادھا کی ثانی
ملبوس میں تھی
یوں تابشِ تن
فانوس میں تھی
اک شمع روشن
ہرچند پنہاں ٭ اسپر بھی عریاں
فیروزی ساڑھی
ماہِ جبیں پر
یا چرخِ نیلی
مہتاب در بر
میں تھا کہ مدہوش ٭ از خود فراموش
اُس نے جو دیکھا
شرما گئی وہ
اتنے میں سنبھلا
کترا گئی وہ
چلّا اُٹھا میں ٭ لینا چلا میں

(عندلیب شادانی)

فریبِ نظر!

یہ نظریں! یہ مدہوش نظریں! آہ یہ تھکی ہوئی، یہ نشہ میں ڈوبی ہوئی، خمار پاش نظریں!۔

میری طرف کیوں بار بار اُٹھتی ہیں۔ اور شرما جاتی ہیں؟

اس، خلوت نما بزم میں اور بھی تو اہل دل موجود ہیں، پھر ان میٹھی چھریوں کی آزمائش کے لئے میرا ہی کلیجہ کیوں منتخب کیا جاتا ہے؟۔

یہاں ۔۔۔۔، رقص و سرود کے اتنے مشتاق تو بیٹھے ہیں، آخر یہ نشیلی نظروں کی مخمور تتلیاں میرے ہی دل کو اپنی چھیڑ چھاڑ کے لئے کیوں پسند کرتی ہیں؟

ہاں ـــــ! تمام حاضرین سے بے پروا ہوکر، ساز کے پردوں پر نازک نازک انگلیاں مارتے ہوئے "کوئی" ان رسیلی نگاہوں سے، اک مجھی کو کیوں دیکھتا ہے؟

ہائے کیسا سوال ہے۔ جو ایک ہی وقت میں مشکل بھی ہے، آسان بھی ہے۔ غیر ضروری بھی ہے، اور خاص اہمیت بھی رکھتا ہے!!

کیا اس سے میں یہ نتیجہ نکالوں کہ موسیقی کے ان تمام حریصوں میں صرف مجھے اس رنگین محنت کی داد دینے کا اہل سمجھا گیا ہے؟

کیا میں یہ خیال کروں کہ اسنے میری لطافتِ ذوق ہی کو اپنی ساز نوازی کے لئے لائقِ خطاب تصور کیا ہے؟

کیا میں یہ سمجھوں کہ میری ہیئت میں کوئی خاص حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی ہے جس نے اس کی توجہ اس طرف پھیر دی ہے؟

یا ـــــ کیا وہ حقیقت میں سمجھ گیا ہے کہ اس کی سرود نوازی کا پہلا محرک میں ہوں؟

کچھ بھی ہو! میرے لئے کس قدر دشوار اور ساتھ ہی مزیدار معاملہ ہے۔ کہ یہ نظریں! میرے سارے

دوستوں سے سراسر غافل ہو کر مجھی پر کیوں پڑتی ہیں؟ مجھی پر کیوں برسنی ہیں؟

کہیں میرے سر کے بکھرے ہُوئے بالوں سے اس نے میرے دل کی الجھنوں کو تو نہیں معلوم کر لیا؟

کہیں میرے کھلے ہُوئے گریبان نے اس سے میری وحشت کی چغلی تو نہیں کھا دی؟

یا ــــــ کہیں میرے متاثر ہو کر جھومنے سے اس نے اپنی ننھی ننھی انگلیوں کے کمال کی قدردانی تو نہیں محسوس کی؟

یا ــــــ پھر کہیں میری حسرت بھری نگاہوں نے اُسے یہ تو نہیں بتا دیا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں؟

آخر ــــــ! آخر ان نشیلی نظروں کی گہرائیوں میں آہ، ان رسیلی آنکھوں کی سپیدیوں اور سیاہیوں میں وہ کونسا اک "مشترک راز" ہے؟ جسے میں ہزار کوششوں کے باوجود نہیں سمجھتا! نہیں سمجھ سکتا!

وہ جب کبھی اُٹھتی ہیں۔ ان میں ایک غنودگی میں ڈوبی ہُوئی ہلکی سی مسکراہٹ موجیں مارنے لگتی ہے۔ اور مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ساون کی دو دھندلی دھندلی بدلیاں مشرق کی سرشار وادیوں سے نشہ میں جھومتی ہُوئی اُڑ رہی ہوں!

وہ جب کبھی چپکے چپکے میری مایوس نگاہوں سے ہم آغوش ہوتی ہیں۔ ان میں ایک مستی میں بھیگی ہُوئی حیا کھیلنے لگتی ہے۔ اور مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے شراب کی دو چھیلی ہُوئی موجیں بڑھ بڑھ کر سمٹ رہی ہوں!

وہ جب کبھی شرما کر نیچی ہو جاتی ہیں۔ ان میں ایک بیمار شوخی، ایک شوخ بیماری چھلک پڑتی ہے۔ اور مجھے کچھ ایسا نظر آتا ہے، جیسے کسی تھیٹر میں یکایک آخری پردہ گر گیا ہو!

لیکن نہ جانے کیا بات ہے۔ میں ان مخمور نظروں کے اُٹھنے، ملنے، اور جھکنے غرض

ہر انداز سے نہ معلوم کیوں یہ سمجھتا ہوں کہ ان میں میرے لئے ایک ایسا پراسرار پیغام چھپا ہے۔ جسے میں محسوس تو کرتا ہوں مگر جان نہیں سکتا!

شراب سے لبریز، دو رنگین پیالے اٹھا لیجئے، اور انہیں آہستہ سے چھلکا دیجئے! کنول کے دو خوبصورت پھول توڑیئے، اور انہیں آبحیات میں ڈبو دیجئے! چاند کی دو خوشگوار کرنیں چاند سے جدا کیجئے، اور انہیں بکھیر دیجئے! شام و سحر کے دو مدہوش منظر لیجئے اور انہیں ملا کر پھر الگ الگ کر کے دو مخمور منظر بنا لیجئے! لیکن وہ مستی، وہ مدہوشی، وہ سرشاری، کبھی نہیں پیدا ہو سکتی جو ان نیچی نیچی نشہ باز نظروں میں تڑپتی، مچلتی، فضاؤں بڑھتی، پھیلتی، اور آخر مجھ پر میرے تخیلات پر، میری روح پر نکھر جاتی ہے، برس جاتی ہے!!

آہ یہ نظریں! جن کی مستی بھری خلوتوں سے بیسیوں نیندیں برستی معلوم ہوتی ہیں،۔

ایسی نیندیں جو دنیا اور دنیا کے تمام حسین منظروں کو، ہمیشہ کے لئے سلا دینے کو بہت ہیں!

اف، یہ نگاہیں جن کی مدبھری پیالیوں سے سینکڑوں نشے ٹپکتے ہوئے نظر آتے ہیں!

ایسے نشے جو کائنات اور کائنات کے تمام جلوؤں کو قیامت تک کے لئے سرشار کر سکتے ہیں!

ہائے، یہ آنکھیں جن کے پرسکوت بربطوں سے ہزاروں خمار آلود نغمے انگڑائیاں لے لے کر اٹھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں،۔ ایسے نغمے جو کانوں کی جگہ آنکھوں سے سنے جاتے ہیں، اور جو ابد تک کے لئے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو مدہوش کر دیسکتے ہیں!

دن کی اس ہنگامہ آفریں مجلس میں جب یہ نظریں اتنی برباد کن ہیں۔ تو آہ، رات کی جوان خلوتوں میں کس قدر تباہیاں پیدا کر سکتی ہیں؟ ان خلوتوں میں جب دنیا کی حسین سے حسین محفلوں کی بہ نسبت صرف خلوتیں ہی عزیز ہوتی ہیں،۔ عزیز ہو سکتی ہیں!

اللہ! کیا ایک رات کے لئے، ایک سنہری رات کے لئے، ان خمار پاش نظروں کی یہ

مستانہ کروٹیں، پھر بھی میرے حصے میں آسکتی ہیں؟ جو دنیا بھر کو بے چینی کی کروٹیں لینے پر آمادہ کررہی ہیں!
کیا کسی رات کے ایک لمحہ کے لئے ایک پُرشباب لمحہ کے لئے ان سحرآلود نظروں کی یہ ہلکی ہلکی جنبشیں پھر بھی میرے لئے مخصوص ہوسکتی ہیں۔

کبھی سوچتا ہوں، کہیں یہ میری نگاہوں کا ایک خوبصورت وہم، ایک سُنہری فریب تو نہیں کہ یہ نظریں صرف میری طرف توجہ فرمارہی ہیں!
ممکن ہے وہ جب کبھی اُٹھتی ہوں میں ہی سامنے آجاتا ہوں، کیونکہ سامنے بیٹھا ہوں!
یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ جب میں گھبراکر، ان بے پناہ تیروں کی بارش سے گھبراکر، نگاہیں جھکا لیتا ہوں۔ اسوقت یہ نظریں اوروں کی طرف بھی اسی فریب مخصوصیت کے ساتھ اُٹھتی ہوں۔ اور میری طرح ہر ایک یہ سمجھتا ہو۔ کہ بس مجھی کو دیکھا!
اور ہاں، پھر یہ بھی تو سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ساحلی مقام کے متعلق، نقاشی کے اُس نظر فریب اور دلکش نمونے کو دیکھ رہی ہوں جو بالکل میرے پیچھے میرے سر پر آویزاں ہے!
میں نہیں جانتا ان میں کونسا خیال صحیح ہے اور کونسا غلط؟ ہاں میرے مجروح محبت، دل کی یہ تمنا ضرور ہے۔ کہ اگر واقعی ان شاداب نظروں کی مخصوصیت ایک سُنہری فریب ہی ہے تو بھی، خدا کے لئے، مجھے تو اسی فریب میں مبتلا رہنے دو کہ یہ سکرپاش، یہ مستی طراز، یہ کیف آلود نظریں، اک، میری ہی طرف متوجہ ہیں! ہاں مجھے تو بس اسی "فریب نظر" میں گھرا رہنے دو!! اس "فریب نظر" میں جو حقیقت میں میرے لئے ایک فریب محبت، فریب امید، اور ان دونوں سے بڑھکر "فریب خوش قسمتی" ہے

آہ! ؎

کیونکر اس کی نگہہ ناز سے جینا ہو گا؟
زہر دے اسپہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا! (داغ)

(ابوالمعانی حضرت اختر شیرانی الافغانی)

خمسہ

(برغزل نواب والاخطاب نواب محمد یوسف علیخانصاحب بہادر۔)
(والیٔ ریاست رامپور مرحوم فردوس مکان)

کیا کہیئے اُس سے سچ کو جو سمجھے بشر غلط — دعویٰ ہی یہ وہاں تو ہوا سر بسر غلط
کہتا ہی کیوں یہ بات سمجھتا اگر غلط — میں نے کہا کہ دعوی الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

اظہارِ دعویٰ اثر انتظار جھوٹ! — جذبات اضطراب دلِ بیقرار جھوٹ
افسانہ ہائے دیدۂ خوں نابہ بار جھوٹ — تاثیر آہ وزاری شب ہائے تار جھوٹ
آوازۂ قبول دعائے سحر غلط!

ہو اشکِ خون جوابِ گلِ لالہ افترا — جائے زمین سے تا بہ فلک نالہ افترا
ہو آہ گرم شعلۂ جوالہ افترا!! — سوز جگر سے ہونٹ پہ تبخالہ افترا
شور و فغاں سے جنبش دیوار و در غلط!

ہاں ہاں یہ سب ستائش داغ دروں دروغ — ہاں شعلہ ہائے آتش داغ دروں دروغ
ہاں مثل مہر تابشِ داغ دروں دروغ — ہاں سینے سے نمائش داغ دروں دروغ
ہاں آنکھ سے تراوش خونِ جگر غلط!

ہاں یوں تو دیکھنے کے سوا کچھ نہ کیجئے — ہو دسترس تو شرم وحیا کچھ نہ کیجئے
سب کچھ دغا سے کیجئے یا کچھ نہ کیجئے! — آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے!
عشق مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

کچھ تو غرض فریب میں ہے جب فریب ہیں — خالی کسی غرض سے بھلا کب فریب ہیں
تو بہ یہ ڈھب پہ لانے کے بے ڈھب فریب ہیں — بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہار پاکبازی و ذوق نظر غلط!

اللہ رے جھوٹ اُف رے یہ اُن کی تعلیاں — کس طرح کہنے والوں کی پکڑے کوئی زبان

توبہ زمین بھی کہیں بنتی ہے آسمان   لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں
احمق بنیں نہ سمجھیں ہم اسکو اگر غلط

یا یوں کہو کہ یہ سبب التفات ہے   یا یوں کہو کہ شوق شہادت کی گھات ہے
یا یوں کہو کہ بات یہ اک واہیات ہے   کہنا ادا کو تیغ خوشامد کی بات ہے!
سینے کو اپنے اُس کی سمجھنا سپر غلط!

حاتم نے بھی تو ایسی سخاوت کبھی نہ کی!   بس خاتمہ ہے دین کا اللہ رے سخی!
دینے کو کس طرح یہ رقم ہاتھ لگ گئی!!   مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چکے سے سونپدی
جان عزیز پیشکش نامہ بر غلط!

ان دونوں کے نہ ہونیکا ہو کسطرح یقین   وہ بات تو کہو جو ٹھکانے لگے کہیں!
یہ بات دل نشین ہے نہ وہ بات دلنشین   سینے میں اپنے جلتے ہو تم کہ دل نہیں
ہمکو سمجھتے ہو کہ ہے ان کی کمر غلط!

ہوں کیوں نہ ایسے مُردوں سی حیرت میں خاص و عام   شکوے تو ہو رہے ہیں، مگر ہو گئے تمام!
ڈرتے نہیں قضا سے قضا پر یہ اتہام   پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے ہو جان دی ہے سر رہ گذر غلط!

انداز یہ گذرنے کا حد سے گذر گیا!   آخر فریب موت کو بھی مات کر گیا!
دنیا تو یہ کہے کہ وہ افسوس مر گیا!   ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنے روز اُڑائی خبر غلط!

یوں تو کلام ناسخ و مونس کو مانیئے!   لیکن بجا نہ اس کو نہ حق اس کو مانیئے
ایمان کس پہ لایئے اور کس کو مانیئے   آیت نہیں حدیث نہیں جس کو مانیئے
ہے نظم و نثر اہل سخن سر بسر غلط!

اس چھیڑنے کا چکھ تو لیا کیفؔ نے مزا   کہتے نہ اُن سے ایک نہ سنتے ہزار ہا!
پچتا رہے ہیں اب کہ یہ کیا ہم نے کہدیا   یہ کچھ سُنا جواب میں ناظم ستم کیا!
یہ کیوں کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط!

(مولینا) کیفؔ ٹونکی

"کارِ نمایاں"

رام کشن کی ذہانت و فطانت میں کوئی شک نہیں، یہی نہیں کہ وہ ایک مستعد و محنتی طالبعلم بھی تھا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ درسِ محبت اتنا وسیع درس ہے۔ کہ تمام دوسرے فرائض کا وقت بالکل اپنے وقت میں جذب کر لیتا ہے؛ اور کسی دوسرے علم کی فرصت مطالعہ ہی نہیں رہتی، چنانچہ بی۔ اے تک وہ نہایت نیک نامی کے ساتھ کامیاب ہوتا چلا آیا۔ لیکن بی۔ اے میں پہنچتے ہی اسے دفعتاً اپنی خالہ زاد بہن سوشیلا سے شدید فریفتگی پیدا ہو گئی۔ دفعتاً اس لئے کہ وہ خود متحیر تھا۔ وہ خود اس کی کوئی توجیہ نہ کر سکتا تھا۔ کہ اس سے پہلے اسے سوشیلا سے کیوں محبت نہ ہوئی۔ اسے کیا خبر کہ الہتہ العشق اپنی ناوک فگنی کے لئے ایسے لمحہ کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے ایک سے زیادہ پیکان کے لئے اپنے ترکش کا منت کش نہ ہونا پڑے۔ اور اُسے کیا خبر کہ آج جو محبت اس کے دل میں موجزن ہے۔ وہ صرف اس بحرِ پُرجوش کی ایک حقیر سی لہر ہے۔ جو اس سے بہت قبل سوشیلا کے سینہ میں متلاطم ہو چکا ہے پھر وہ محبت جو خود عورت پیدا کرے۔ ایک مرد کو مدہوش و مجنوں بنا دینے کے لئے کافی سے بہت زیادہ ہے۔ اب رام کشن کے لئے اپنی درسی کتابوں میں کوئی جاذبیت نہ رہی تھی، وہ کالج بھی بہت ناگواری کے ساتھ جاتا تھا۔ اور اوقات کالج میں اس کی یہ حالت تھی کہ پروفیسر لیکچر دیتے رہتے، اور وہ عالمِ خیال میں بے خبر بیٹھا ہوا۔ سوشیلا کے گلشنِ جمال کے گلچینی کیا کرتا، اس کے ہم جماعت اس فوری انقلاب سے سخت حیران تھے۔ پروفیسروں کو بھی کچھ کم حیرت نہ تھی۔ وہ اسے ملامت کرتے نہمائش کرتے مگر کسی کو اس سوزشِ پنہاں کا کیا حال معلوم جو اس غفلتِ بیرون اور سوزِ درون کا باعث تھی۔ اس بے پروائی کا صریح نتیجہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ ناکامیاب ہوا۔ لیکن رام کشن کو تعلیم سے اب کیا دلچسپی تھی۔ جو یہ ناکامی اس پر کچھ اثر کر سکتی اس نے اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اور اسی مدہوشی اسی جوش اسی وارفتگی کیساتھ منازلِ محبت طے کرنے میں مشغول رہا۔ دوسرا سال ختم ہوا۔ اور پھر وہ ناکام رہا۔ رام کشن جواب اپنے تئیں مقصدِ قلبی سے قریب تر پاتا تھا۔ اس کی نگاہ میں یہ ناکامی سرسری توجہ کے بھی قابل نہ تھی۔ لیکن سوشیلا کو اب اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اور وہ اب بطور تلافی کسی ایسے موقعہ کے تلاش میں تھی۔ جب ایک

ادنیٰ اشارہ رام کشن کو خواب غفلت سے بیدار کر دے۔

نیتجہ آئے تین چار روز ہوئے تھے۔ آسمان پر ابر سفید چھایا ہوا تھا۔ بے انتہا سہانا سماں تھا۔ رام کشن سوشیلا کے کمرہ میں بیٹھا تھا۔ اور سوشیلا ایسے انداز میں جیسے کوئی کسی کے پاس بیٹھنا نہ چاہے مگر اخلاق کے اجبار سے بیٹھنا پڑے۔ خاموش ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی "باچشم وابروئے برہم" اپنے رومال سے برابر کھیلے جا رہی تھی۔ جیسے وہ ڈر رہی ہے۔ کہ اگر وہ اس "ملاعبت" سے باز آگئی تو کہیں اسے باتیں کرنے پر نہ مجبور ہونا پڑے۔ رام کشن جو اس انداز نو سے پا در گل تھا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ طویل خاموشی کسی صدمہ آور منظر پر منتہی نہ ہو بولا "سوشیلا آج تو جی چاہتا ہے کہ تم میری معیت میں سیر دریا کو چلو"۔

سوشیلا نے رومال کی طرف دیکھتے ہوئے۔ انتہائی بے التفاتی سے پیشانی میں گرہ ڈالکر کہا "کیوں؟ آپ نے کونسا "کارنمایاں" کیا ہے۔"

رام کشن کو ایسا معلوم ہوا گویا ایک پردہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گیا، وہ اپنے تئیں کچلا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

(۲)

رام کشن اپنے مطالعہ کے کمرہ میں کہنیاں میز پر رکھے مستغرق بیٹھا ہے۔ اس کے چہرے سے تکدر اور غم کے آثار نمایاں ہیں وہ سوچ رہا ہے۔ ہاں بے انتہا اضطراب و بے چینی کے ساتھ سوچ رہا ہے کہ اس نے گذشتہ دو برس کس بیہودگی و نادانی سے تباہ و برباد کر دیئے۔ اس کی بیتابی کی کوئی حد نہ تھی جب یہ حقیقت دفعتاً اس پر مبرہن ہوئی۔ کہ جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ان دو برسوں کو قربان کر دیا تھا۔ وہ اس قربانی سے بجائے حصول کے اور بعید تر اور دور تر ہو گیا۔ اگر وہ بی۔ اے پاس ہو جاتا تو آج سے ایک برس قبل ہی سوشیلا ہمیشہ کے لئے اس کی ہو چکی ہوتی، اس نے غصہ ہو ہو کر اپنی بیخودی کو یاد کیا۔ اس نے اپنی کوتاہ اندیشی پر ملامت کی کہ ایسا امر سے پہلے وہ اس حقیقت کو کیوں نہ سمجھ سکا پھر سب کے بعد اور سب سے زیادہ ہلاکت آفریں یہ خیال تھا کہ وہ جسکے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا، وہ بھی اس قربانی کو بنظر استحسان نہیں دیکھتی، ہاں وہ یہی سمجھتی ہے کہ یہ بے محل "قربانی" بجائے سود مند ہونے کے ضرر رساں ہے، یہ دو محبت کرنے والی ہستیوں کے اتصال کی مانع ہے۔ دو بندگان عشق کے بیچ میں سنگ گراں کی طرح حائل ہے آہ، اے کاش وہ دیوانہ،

اتنا بیگانہ ہوش نہ ہوجاتا۔ اور آج سے صرف ایک برس پہلے ان حقائق کو سوچ سکتا! دو برس! ہاں دو طویل اور "پراز امیدہائے گوناگوں" برسوں کا اختتام ایسے دل شکن اور زہرہ گداز طریقہ پر ہوا۔ اس نے سوشیلا کے پالینے کیلئے ناکامی امتحان کی پرواہ نہ کی، لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ کامرانِ محبت! ہونے کے لئے امتحان کی کامیابی لازمی تھی، کیا سوشیلا کا باپ اس معلق حالت میں اپنی بیٹی کی قسمت اس سے وابستہ کر دیگا" وہ اسی لئے برانگیختہ تھی" اس نے سوچا" وہ میری حماقت اور کوتاہ بینی پر آشفتہ تھی! آہ! میں زہر کو امرت، حنظل کو انگبیں، سمجھتا رہا.... لیکن اب بھی وہ ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ میں مداوات کرونگا"

رام کشن نے صحیح قلب کے ساتھ عہد کیا کہ وہ اس سال جانکاہ محنت کر کے جرم ماضی کی تلافی کرے گا اور حتی المقدور اپنے خیالات کا مرکز صرف تعلیم قرار دیگا۔

(۲)

یہ یقینی ہے کہ اگر رام کشن کو سوشیلا کا بطون نہ معلوم ہوتا تو وہ کبھی بھی فراموش شدہ تعلیم کیطرف اپنی توجہ منعطف نہ کرتا! مگر یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ سوشیلا کی مسرت بھی اس میں مضمر ہے، اب کوئی بات رام کشن کو تعلیم میں ہمہ تن مشغول ہوجانے سے نہ روک سکتی تھی، ہر چند اول اول اس کے خیالات نے اس کے عزم کی ہمنوائی سے اعراض کیا مگر بعد چندے اتنی گریز پا نہ رہی - اور اس میں وہ کامیاب اسوقت ہوا، جب اس نے اپنے دل و دماغ کو تعلیم ہی کو سوشیلا سمجھ لینا سکھا دیا۔ اگر کسی طرف ہمارا طبعی رجحان ہو اور اس میلان کو وہ ہستی بھی بنظر پسندیدگی دیکھے، جو ہماری زندگی کی تنہا سرمایۂ نشاط ہے، تو پھر وہ کونسی مشکلات حائل ہیں، جن کو بیچ میں سے ہٹا دینے کے لئے ہم امکانی مساعی نہ کریں گے۔ اور بسا اوقات کامیاب بھی نہ ہوجائیں گے۔ صرف یہ جذبہ تھا جو رام کشن کے عزم استوار کو متزلزل نہ ہونے دیتا تھا۔

اس نے سوشیلا کے پاس جانا ہی بہت کم کردیا تھا۔ لیکن جب کبھی جاتا تو یہ تمنا لئے ہوئے کہ سوشیلا اس کے لئے بہت بے بیتابی کے ساتھ چشم براہ ہوگی، اور اس کے آنے پر بیحد مسرت کا اظہار کریگی، مگر اس کی یہ تمنا کبھی پوری نہ ہوئی" وہ ہر بار پہلے سے زیادہ دیر میں جاتا کہ غالباً اس دفعہ سوشیلا کچھ شکوہ و شکایت کریگی، لیکن شکوہ و شکایت تو کجا اس نے کبھی اپنے چہرہ سے یہ بھی نہ معلوم ہونے دیا کہ اسے رام کشن کے طرزِ عمل میں تبدیلی کا احساس بھی ہوا ہے،۔ وہ ہر دوسری دفعہ پہلے سے زیادہ بے رخی اور بے التفاتی سے پیش آتی، اور رام کشن کی آرزو دل ہی دل میں خاکستر ہو کر رہ جاتی، سوشیلا

جانتی تھی۔ کہ اگر اس نے ذرا بھی کمزوری ظاہر کی تو یہ اتنا محبت سے بنایا ہُوا گھر چشم زدن میں مسمار ہو جائیگا ورنہ یہ کوئی بھید نہیں ہے۔ کہ وہ آگ جو سوشیلا کے دل میں جل رہی تھی اس سے بقدرِ نصف یہی رام کشن سوزش قلب میں مبتلا نہ تھا۔ .... امتحان دینے کے بعد دو مہینے نتیجہ کے انتظار میں جس کرب اور بے چینی کے ساتھ گذارے' وہ ناقابلِ بیان ہے' حالانکہ اس نے پرچے قابلِ اطمینان کئے تھے۔ لیکن چونکہ اس کامیابی کے ساتھ کامرانی محبت ہی مشروط تھی۔ اس لئے اس کا دل کبھی "دھڑکنا" نہ چھوڑتا تھا وہ منتظر تھا کہ کامیابی کی صورت میں فاتحانہ طور پر سوشیلا کو گھر میں داخل ہو۔ خدا خدا کر کے نتیجہ برآمد ہوا۔ اور رام کشن کامیاب ہوا - - - - - - - - - - - - - - - -

- -

شام کو رام کشن سوشیلا کے پاس گیا۔ رام کشن کے بشرہ سے اس عفعہ کی تراوش ہو رہی تھی! جو عجز و فتادگی سے ممزوج ہوتا ہے' سوشیلا ایک دھانی ساری زیب تن کئے ہُوئے اپنے کمرے کے دروازہ پر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اور رگ رگ سے مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے تبسم چکاں ہو کر آج ایک نئے التفات سے اس التفات سے جس کا رام کشن ناکامی کے ساتھ برس بھر تک ارمان کرتا رہا! رام کشن کا خیر مقدم کیا۔ رام کشن خاموشی کے ساتھ آکر کمرہ میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد رام کشن نے نیچی نظریں کئے غمگین و ملامت ریز لہجہ میں کہا' اس کی آواز میں لرزش تھی "سوشیلا اب تو غالباً میری معیت میں چلوگی" سوشیلا نے جو اس سکوت کا مطلب پہلے ہی سمجھ چکی تھی' اس خم لب کے ساتھ جو صرف جنسِ لطیف کے لئے مخصوص ہے ان تمام شوخیوں اور شرارتوں کے ساتھ جو ایک عورت ہی اپنی آنکھ میں پیدا کر سکتی ہے جواب دیا "آپ نے کونسا کارِ نمایاں کیا ہے"۔

وہی لفظ تھے وہی فقرہ تھا مگر طرزِ ادا' اور مفہوم میں کسقدر تفاوت تھا' اس انکار میں اقرارِ پنہاں تھا۔ اس نفی سے اثبات کی تراوش ہو رہی تھی۔ اس کشیدگی میں سپردگی کا راز آئینہ ہو رہا تھا۔ پہلی مرتبہ یہی فقرہ تمامتر افسردگی و ملامت تھا۔ لیکن اب یکسر شہد و حلاوت!

رام کشن: سوشیلا!!

سوشیلا: حضور!! - - - - - - - -

- - - - دوسرے لمحہ رام کشن کی آغوش خالی نہ تھی!

رفیعی اجمیری

لمعاتِ عزیز

ان نگاہوں کا نشانہ ہے ستم ایجاد بھی
ناوک افگن جھک چلا ہے چرخ کج بنیاد بھی

میرے دل کی داستاں میں مختلف عنواں ہیں
ایک سرخی اس کی ہے خون سر فرہاد بھی!

آپ ہی نے خاک کا پتلا بنایا تھا لب مجھے
آپ ہی کے ہاتھ سے مٹی ہوئی برباد بھی

ہم گرفتارِ چمن نیرنگِ ہستی کیا کہیں
سرو کے مانند ہیں پابند بھی آزاد بھی!

دیکھ کر گورِ غریباں ہو گیا سکتا مجھے
واہ رے بستی کہ ہے آباد بھی برباد بھی

عشق کی منزل ہے مانا جادۂ راہِ نجات
ہر قدم پہ ہے مگر افتاد پر افتاد بھی

مجھ سے شاکی ہیں مری ناعاقبت اندیشیاں
آپ اسیرِ دام ہوں اور آپ ہی صیاد بھی

دل مرا کیا ہے طلسمِ غنچۂ سر بستہ ہے!
ضبط کا پابند بھی اور حسرت فریاد بھی!

(حضرت) عزیز لکھنوی

پہلی جھلک

ایک بنگالی لڑکی کے خیالات

سردی کا موسم تھا۔ دھوپ بھلی معلوم ہوتی تھی۔ شاید ۱۲ بجے ہونگے۔ میں نہانے سے فراغت پاکر چھت پر بال سکھا رہی تھی۔۔۔ ایکایک سورج بادلوں میں چھپ گیا۔ ہوا چلنے لگی۔ مجھے سردی محسوس ہوئی، اور میں نیچے لوٹ جانے کے لئے تیار ہوئی۔۔۔۔ اتنے میں میری نظر تمہارے مکان سے ٹکرائی" تم اپنے مکان کی چھت پر کرسی بچھائے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے' تمہاری گردن کتاب پر جھکی ہونے کی وجہ سے تمہارے سر کے بال بکھر رہے تھے اور شوخیوں پر آمادہ تھے۔ تم نے اپنے بالوں کو پنسل سے ہٹانے کی کوشش کی مگر کیسے ضدی بال تھے۔ کہ تم بار بار ہٹاتے اور وہ پھر پیشانی پر بکھر بکھر جاتے تھے۔ کیا کہوں اس منظر نے میرے دل پر کتنا اثر کیا۔ میں سردی سے کانپنے کے باوجود تمہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔۔۔۔ اور برابر دیکھتی رہی!

تم نے بالوں کی شرارتوں سے تنگ آکر گردن اٹھائی اور دونوں ہاتھوں سے گھونگریالے شریروں کو تھام کر پیچھے کیطرف پھینک دیا۔ بال ہٹ گئے۔ اور نور سا پھیل گیا۔ میں نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ سورج ابھی تک بادلوں میں تھا۔ پھر وہ نور کیا تھا' ہاں میں سمجھی' تمہارے چہرہ نے سورج کا کام کیا' سچ کہوں اُس دن پہلی دفعہ شاعروں کے مبالغہ کا یقین ہوا۔ اِس دلفریب حالت میں میں تمہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔۔۔۔۔ اور برابر دیکھتی رہی!

تم نے ابھی تک مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اور دیکھتے بھی کس طرح؟ پہلے کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ اور پھر بالوں کی شوخیوں سے مجبور۔۔۔۔! اب تم نے کتاب رکھدی، کیس میں سے سگریٹ نکالا' دیا سلائی منگائی، سگریٹ سلگایا' اور۔۔۔۔۔ ابھی سگریٹ کے دو ایک کش بھی نہ لگانے پائے تھے کہ کسی گہری فکر میں ڈوب گئے' کبھی سیٹی بج رہی تھی' کبھی پنسل چبائی جارہی تھی' کبھی گردن ہلا دیتے تھے' کبھی سگریٹ کا ایک کش لگا لیتے تھے۔ کیا بیخودی کا عالم تھا' کس درجہ دلفریب منظر تھا' تمہارا ہر انداز

میرے دل میں کھُبا جا رہا تھا! میں سردی کے مارے لرز رہی تھی، کھڑے کھڑے تھک چکی تھی۔ مگر پھر بھی یہی چاہتی تھی کہ اسی طرح تمہیں دیکھتی رہوں، دیکھتی رہوں! ...... اور برابر دیکھتی رہوں!

میں نے اُس کے بعد بھی تمہیں دیکھا ہے۔ اور بار ہا دیکھا ہے، متاثر ہوئی ہوں، لطف پایا ہے۔ مگر اُس دن کے درشن کچھ ایسے پیارے درشن تھے کہ میرے من کے اندر ایک پریم جوت روشن ہو گئی، ایسی جوت، جو کبھی نہ بجھنے کے لئے روشن ہوتی ہے! ...... اتنے میں تم نے انگڑائی لی، اور آسمان کی طرف نظر اُٹھائی، اور پھر شاید ...... شاید میرے دلی جذبے نے تمہیں میری طرف دیکھنے پر مجبور کیا، نگاہیں چار ہوئیں، شکاریوں نے تیر و کمان سنبھالے! مجھے مغلوب ہونا پڑا! میں نے ہار مان لی، میری آنکھیں زمین میں گڑ گئیں، مجھے شرم آ گئی، اور میں گھبرا کر وہاں سے چلی آئی، مگر تمہاری تصویر، نہیں نہیں، میری دیو مورتی میری آنکھوں کے سامنے رقصاں تھی اور میں نہایت عاجزی سے اس کی پوجا میں مشغول! بس اسی پریم کے دیوتا اور سندرتا کے اِشٹ کو میں اپنی آتما کے درپن میں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، .... ! اور برابر دیکھتی رہی!

آج اس واقعہ کو دو سال گزر گئے، تم نے وکالت پاس کر لی، پریکٹس بھی شروع کر دی، چھت پر بیٹھنے سے پرہیز کرنے لگے، کتابیں بُری معلوم ہونے لگیں۔ اب تمہارے بال تم سے شوخیاں نہیں کرتے، اب تم پنسل کو نہیں چباتے، تم نے پھر کبھی اس انداز سے سگریٹ نہیں پیا، گھنٹے، دن، ہفتے مہینے گذر گئے، سردی ختم ہو گئی، گرمی آئی، پھر سردی آ کر چلی گئی، پھر گرمی آئی مگر تمہاری سوہنی صورت ہر وقت میری نگاہوں کے سامنے موجود رہتی ہے۔ میں ہر گھڑی، ہر لمحہ، تمہیں روبرو دیکھتی ہوں، دیکھتی ہوں، ...... اور دیکھتی رہتی ہوں!

ہریش! ہریش! پیارے ہریش!!! میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ ایک بار پھر اپنے مکان کی چھت پر اُسی جگہ اُسی کرسی پر اُسی کتاب کے مطالعہ میں اُسی طرح مصروف ہو جاؤ! اس حال میں کہ تمہارے بال اُسی طرح تم سے شوخیاں کرتے ہوں، تم اُسی انداز سے سگریٹ پیو! انگڑائی لو! آسمان کی طرف دیکھو! اور پھر میری جانب بھی ایک ...... تیر! تاکہ میں اس کھوئی ہوئی پہلی جھلک کو اس پہلی جھلک کی لذتوں کو دوبارہ پا سکوں! میں یقین دلاتی ہوں۔ کہ تمہارے شریر بالوں کی طرح تمہیں پریشان نہیں کروں گی، تمہاری کتابوں کی طرح تمہیں کسی فکر میں مبتلا نہیں کروں گی! بلکہ دور سے دیکھتی رہوں گی! دیکھتی ہوں گی! ... اور بس دیکھتی رہوں گی!

(روشن لعل نیر بنگالی)

گریۂ حسن

تو حسنِ مجسم ہے اے پیکرِ رعنائی
زیبا نہیں تجھکو یہ انداز شکیبائی

کیوں گریۂ پیہم ہے کیوں سوگ کا عالم ہے
کیوں بال پریشاں ہیں کیوں آہ یہ ماتم ہے

آنکھیں تیری اے ظالم لبریز ہیں آنسو سے
اک برہمی پیدا ہے الجھے ہوئے گیسو سے

کیوں سرد یہ آہیں ہیں کیوں زرد یہ چہرہ ہے
اے پیکرِ رعنائی کیا تیری تمنا ہے

بیچین ہے ہر لحظہ بیتاب ہے ہر ساعت
ڈرتا ہوں نہ آجائے دنیا پہ کوئی آفت!

آرام سے بے پروا، راحت سے ہی بیگانہ
سینے میں ہے کیا تیرے کوئی دلِ دیوانہ

ہاں یاد مجھے اب تک وہ تیرا تبسم ہے!
یعنی کہ خردمندی انسان کی جہاں گم ہے

ہونٹوں کی تیری جنبش تھی محشرِ رعنائی
تجھ کو بھی خبر کچھ ہے او غم کے تمنائی

یہ جوشِ جوانی کا انداز یہ ماتم کا!!
برہم نہ کہیں کر دے شیرازہ دو عالم کا

تو جانِ تمنا ہے اس عشق کی دنیا میں
مضطر ہیں بگولے بھی تیرے لئے صحرا میں

تو حسن کے جلوؤں میں رنگینیٔ فطرت ہے
تو عشق کی منزل میں اک شمعِ ہدایت ہے

اس عہدِ جوانی میں انداز یہ ماتم کا!!
یہ ذوقِ غم اندوزی، عالم یہ شبِ غم کا!

ثاقب کی وفاؤں کو اب یاد نہ کر ظالم!
اس حسن و ملاحت کو برباد نہ کر ظالم!

سید ابو محمد ثاقب
(کانپوری)

مہ جبین سفیرہ

ایک سچا واقعہ

یورپ میں حسینانِ فرانس کو اپنی ناز آفرینی اور حسن فروشی کی بدولت ہمیشہ ایک درجۂ امتیازی حاصل رہا ہے، اور اپنی انہیں نازبنانِ پری جمال کی بدولت آج پیرس "تفریح گاہ" یورپ کے لقب سے ممتاز ہے۔ ایک ایسے ملک کی طرف سے کہ جس کی حسن فروشی ہی اس کا باعث شہرت ہو۔ اگر ایک حسین اور نوجوان رقاصہ کسی دوسرے ملک کو سفیر بنا کر بھیجی جائے تو کیا تعجب ہے۔ بالخصوص جبکہ یہ دوسرا ملک ایران ہو کہ جو ایشیا میں اپنی قدر دانیٔ حسن اور تماشہ بینی کے لئے اپنا ثانی نہیں رکھتا اور جہاں کے شعراء ترک شیرازی کے ایک ایک خال ہندو پر سمرقند و بخارا بخش دینے کے عادی ہیں۔ نہ یہ الف لیلا کا قصہ ہے اور نہ طلسم ہوش ربا کی داستان کہ جس میں بجز تھوڑی سی دلچسپی کے اصلیت ذراسی بھی نہ ہو۔ بلکہ ایک سچا اور صحیح واقعہ ہے۔

فرانس کی جانب سے سب سے پہلا سفیر جو ایران گیا وہ ایک حسین و جمیل رقاصہ تھی! جس نے اپنی حسن فروشی کی بدولت اپنے ملک میں کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔

مارسیلز (فرانس) کا ایک بد اطوار اور عیاش مزاج باشندہ ژان فابر نامی قسطنطنیہ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ اپنی بدکرداریوں اور عیاشیوں کی بدولت اس کا دیوالہ نکل گیا، اور وہ اپنی بیوی کو قسطنطنیہ ہی میں چھوڑ کر اپنے قرضخواہوں کے خوف سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔

اس زمانے میں قسطنطنیہ میں فرانس کی طرف سے موسیو فیریول سفیر تھے۔ موسیو فیریول بھی فابر سے بہت ناراض تھے اور جب فرانسیسی دفتر خارجہ نے اُن کی رائے فابر کے متعلق دریافت کی تو انہوں نے اس کا ذکر کچھ الفاظ میں نہ کیا۔

قسطنطنیہ کے ترکی عمائدین میں فابر کو اگر رسوخ حاصل تھا۔ تو اسی قدر کہ وزیر اعظم یا بعض دیگر

اراکین سلطنت نے کبھی نہ کبھی اس سے چند تھان کپڑے کے خریدے تھے۔ اور ترکی سیاسیات میں بھی اس کا ہاتھ اسی حد تک تھا کہ وزراء ترکی کے قلم یا ان کی بیزکی دواتیں فابر کی دکان کی تھیں۔ ورنہ فی نفسہٖ نہ اسے اپنے وطن میں کوئی درجۂ امتیازی حاصل تھا نہ قسطنطنیہ میں بڑے سے بڑے آدمی میں بھی کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ فابر بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا۔ وہ آوارہ تھا یا عیاش مگر بے وقوف ہرگز نہ تھا مشرقی عادات اور مشرقی رسم ورواج سے بھی اسے بہت کافی واقفیت تھی۔ اس کا رکھ رکھاؤ بھی بہت خودارانہ اور قابل تعریف تھا۔ مشرقی زبانوں سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے ایسے موقعے بھی کئی مرتبہ حاصل ہو چکے تھے۔ کہ اس نے فرانسیسی حکومت کے بعض چھوٹے چھوٹے کام جو مشرق سے متعلق تھے انجام دیئے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اپنی ان خدمات کو بہت ہی نمایاں کر کے دکھانا اسے خوب آتا تھا۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اس نے یہ تدبیر سوچی کہ وہ قسطنطنیہ سے بھاگ کر فرانس کو آیا اور یہاں مدموازیل پیتیت سے جو ایک شہرت یافتہ بازاری عورت تھی ملاقات کی۔ اپنی چرب زبانی سے اس نے اس عورت کو طرح طرح کے سبز باغ دکھائے اور کہا کہ اگر تم روپیہ کی ایک معقول رقم سے میری مدد کرو۔ تو میں تمہیں فرانس کی طرف سے سفیر بنا کر الف لیلہ اور نایسخ وگلاب کے ملک میں لے چلوں۔ مدموازیل رضامند ہو گئی تو پھر اس نے وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔ دوران ملاقات میں اس نے موسیو پونت شارترین کو اچھی طرح یقین دلایا کہ ایران میں تجارت کے لئے بہت وسیع میدان موجود تھا۔ اور انگریزوں اور ڈچ لوگوں نے وہاں کی تمام تجارت اپنے قبضہ میں کر رکھی تھی۔ یہ سب جتا دینے کے بعد اس نے یہ تجویز پیش کی کہ ایران کو ایک تجارتی مشن بھیجا جائے۔ اور اس سرکردگی کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

فابر اگر وزیر خارجہ کی خدمت میں پھٹے حالوں گیا ہوتا یا اپنے دیوالیہ اور نادار ہونے کا تذکرہ کر دیتا تو بہت ممکن تھا کہ اسے ناکام ونامراد واپس آنا پڑتا مگر وہ ایسا بے وقوف نہ تھا۔ وہ نہایت پرتکلف لباس میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ وزیر مذکور کے پاس گیا تھا اور چونکہ ایک نئے مشرقی ملک کیساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس لئے یہ ناممکن تھا۔ کہ اس کی درخواست منظور نہ ہوتی۔

مدموازیل پیتیت کی گذشتہ زندگی پر ایک بہت بڑی حد تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ ایک دھوبن کی لڑکی تھی اور قدرت کے فیاض ہاتوں نے اسے ایک صحیح الخیال دماغ

اور ایک بہت ہی زاہد فریب حسن دیدیا تھا۔ اس قدرتی عطیہ سے اس نے فائدہ اُٹھایا۔ اور اپنی اچھی خاصی دولت پیدا کرلی۔ فابر کی لسانی سے اس کے دل میں ایران کی سیر کی تمنا پیدا ہوگئی کہ جو حافظ و خیام کا وطن تھا۔ اور جہاں موسم بہار میں گلاب کے پھول خودرد اگتے تھے۔ اس نے بخوشی اپنی دولت کا کچھ حصہ فابر کے حوالے کردیا اور وزیر خارجہ کی اجازت ملتے ہی ایران جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ خوش قسمتی سے فابر کو ایک اچھا موقعہ اور بھی حاصل تھا اور وہ یہ کہ فرانس کے وزیر خارجہ اور سفیر قسطنطنیہ کے مابین کچھ اچھے تعلقات نہ تھے اور اس لئے یہ اندیشہ بھی کم ہوگیا تھا۔ کہ سفیر قسطنطنیہ کی شکایتوں پر وزیر خارجیہ فابر کے متعلق اپنے احکام بدل دیں گے۔

باہمی مشورے سے یہ طے ہوا کہ تجارتی سفارت ضرور جائے اور اس سفارت کی سرکردگی موسیو فابر کو دی جائے۔ اور کچھ چیزیں بطور تحفہ موہدیہ شاہ ایران کی خدمت میں بھیجی جائیں۔ ان تحائف میں بڑی اور چھوٹی گھڑیاں مقیاس الحرات، مقیاس الموسم، ملکوں کے نقشہ جات، تصاویر، اور فرانسیسی شرابیں داخل تھیں۔ اور یہ تحائف جس شخص کی سپردگی میں دیئے۔ وہ مشہور ژان ژک ردسو کا چچیرا بھائی تھا۔ کہ جس کا باپ ایزک ردسو انٹی سال قسطنطنیہ میں حرم سرائے سلطانی کا گھڑی ساز مقرر ہوا تھا۔

تمام تیاریاں ہوگئیں اور ضروری کاغذات اور روپیہ موسیو فابر کو دے دیا گیا۔ مگر ایک سخت شرط بھی لگادی گئی اور وہ یہ تھی۔ کہ اس کے ساتھ بجز ان اشخاص کے کہ جو سفارت کے لئے ضروری ہوں اور کوئی نہ جائے۔

مدموازیل پیتیت کے متعلق اگرچہ بہت کافی کوشش کی گئی تھی۔ کہ یہ راز پردہ خفا میں رہے مگر پھر بھی خدا جانے کس طرح اُڑتے اُڑتے اس خبر کی بھنک وزیر خارجہ کے بھی کانوں میں پڑگئی تھی اور اسی لئے یہ ناممکن تھا۔ کہ موسیو فابر جیسا دوراندیش شخص مدموازیل مذکورہ کے شمول کے لئے درخواست کرتا۔ ٹائپ رائٹر اس وقت تک ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ ٹائپ رائٹر کے لئے ایک عورت کو ساتھ لیجانا چنداں دشوار نہ ہوتا۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی کام ایسا نظر نہیں آتا جس کے لئے ایک عورت کو

موسیو فابر نے وزیر خارجہ کی تجاویز سے کامل اتفاق رائے کا اظہار کیا اور اپنے ہمراہ ایک ڈاکٹر، دو پادری ایک مصور، چند سوداگر، اور چند مختلف کاموں کے لئے مرد نوکر لئے اور بسم اللہ مجریہا و مرسیہا کہکر ۱۷۰۵ء میں ایک فرانسیسی جنگی جہاز میں بیٹھکر یہاں سے روانہ ہوگیا۔

جہاز بمشکل بندرگاہ سے نکلا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ مرد نوکروں میں سے ایک نوکر اپنی کوٹھری کے اندر گیا۔ اب جو وہاں سے نکلا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک عورت ہے۔ مدموازیل پیتیت مردانہ لباس میں سفارت کے ہمراہ آئی تھی۔ اگر یہ قصہ یہیں ختم ہو جاتا تو یہ ایک معمولی افسانہ سے بہت زیادہ وقیع نہ خیال کیا جاتا مگر مدموازیل مذکورہ صرف ایک سفیر کی بیوی کی حیثیت سے ایران نہیں گئی بلکہ خود سفارت کی اہم ذمہ واریاں اِس کے نرم اور نازک شانوں پر پڑ گئیں۔ الیپونک تو یہ جہازی قافلہ بلا کسی حادثے کے پہنچ گیا۔ مگر وہاں پروانہ راہداری کے انتظار میں رُک جانا پڑا اور آخرکار مجبور ہو کر اس پروانہ کے حصول کی غرض سے قسطنطنیہ جانا لازمی ہوا۔ زمانۂ انتظار میں اس قافلہ کے لئے کوئی اور مشغلہ نہ تھا بجز اس کے کہ شرفار قسطنطنیہ سے ملاقاتیں کی جائیں۔ اور انہیں دعوتیں دی جائیں۔ مگر بدقسمتی سے سفیر کی بیگم صاحبہ کے انداز اطوار اس قسم کے نہ تھے جن کی ترکی شرفار کو خاندانی بیگمات سے توقع ہوتی ہے۔ اگر صرف اسی قدر ہی ہوتا کہ اس کے گل رخسار زحمت کش نقاب نہ ہوتے اور وہ آزادانہ فرانسیسی سفارت خانہ میں مہمانوں کی خاطر و مدارات کیا کرتی تو کچھ ایسا مضائقہ نہ ہوتا۔ مگر مصیبت تو یہ تھی کہ سفیر جیسی عظیم الشان ہستی کی شریک زندگی طبلہ اور سارنگی کے ساتھ ناچا کرتی تھی۔

ترکوں پر تو اس کا اثر ہونا ہی تھا۔ مگر فرانسیسی حلقہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا...... بالخصوص پادری صاحب کے لئے تو یہ شدید ترین عذاب تھا۔ انہوں نے بہتیرا سمجھایا مگر بادۂ حسن و جوانی سے مخمور مدموازیل پیتیت نے ان زاہدان خشک کی نصیحتوں پر قطعاً کان نہ دھرے' اور جب انہوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہیں عیسائی برادری سے خارج کر دیں گے۔ تو اس شعلۂ جوالہ نے چمک کر یہ جواب دیا کہ نم شوق سے مجھے برادری سے خارج کر دو۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی۔

سفیر صاحب سے بھی اس معاملے میں عرض و معروض بے کار ثابت ہوئی۔ انہوں نے مدموازیل پیتیت کو اپنی بیوی مشہور نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنے نائب کی اور اس لئے اس کا نام مدم دامیل تھا۔ اگرچہ موسیو دامیل غریب کو اپنی مشتہرہ بیوی کی صورت بھی دور ہی سے دیکھنے کو ملتی تھی۔ موسیو فابر نے پادریوں کو خاموش کرنے کی ایک نہایت معقول ترکیب یہ سوچی کہ اس نے ایک خاص خبر مشتہر کر دی۔ کہ پادریوں کی اخلاقی حالت کی تفتیش کر کے رپورٹ کرے۔

ان تمام حالات کی اڑتی اڑتی خبریں پیرس بھی جا پہنچیں۔ مگر دونوں میں محکمۂ ڈاک آج کل کی طرح

سریع السیر نہ تھا، اور جب تک فرانس کے دفتر خارجہ سے موسیو فابر کے نام مدموازیل کے واپس کر دینے کا یہ حکم آتے وہ روانہ بھی ہو چکے تھے۔ حکم قسطنطنیہ تک آیا اور وہیں رہ گیا۔

ایک ایرانی بدرقہ کی ہمراہی میں موسیو فابر اوران کا قافلہ جنس حسن کو لئے ایریوان پہنچ گئے، جہاں انہیں حدود ایران کے اندر سفر کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ٹھیرنا پڑا۔ ایریوان کے ایرانی قسطنطنیہ کے ترکوں کی طرح ناہموار خشک نہ تھے۔ انہیں مدموازیل کے کرتے کے اونچے اونچے دامن بجائے غیر مہذب اور حیاسوز معلوم ہونے کے بہت ہی دلکش اور دلآویز نظر آتے۔ اور بجائے اس سے نفرت کرنے کے سب اس کی اداہائے جانستاں کا کلمہ پڑھنے لگے۔ خان ایریوان کا جذبہ فدائیت بہت ہی بڑھا ہوا تھا۔ اور اس نے اپنے اس حسین اور دلفریب مہمان کی جو خاطر تواضع کی وہ بہت کچھ قابل ذکر ہے۔ اس قافلہ کے لئے جب شاہی پروانہ راہداری آگیا تو خان ایریوان نے پورے قافلہ کو الوداعی دعوت دی۔ سوء اتفاق کہ دعوت کے اختتام پر موسیو فابر یکایک سخت بیمار ہو گئے اور لمحہ بہ لمحہ اس کی حالت بگڑتی ہی چلی گئی۔ اپنے عالم نزع میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ شاید مجھے زہر دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد مدموازیل پیتیت کی راحت بخش آغوش میں جان دیدی۔ فابر کو کیا واقعی زہر دیا گیا تھا؟ اور کیا خان نے عالم فریفتگی میں اپنے راستہ سے رقیب روسیاہ کو دور کرنے کے لئے ایسی ناپاک کوشش کی تھی؟ یہ ایسے سوالات ہیں، جن کا جواب دینا ناممکن ہے۔ ایک بات یقینی ہے۔ کہ مدموازیل پیتیت کو اب خود سفیر بننے اور اپنے آپ کو ممتاز اور نمایاں کرنے کا ایک بیش بہا موقع ہاتھ آگیا۔ جس سے اس نے فوراً فائدہ اُٹھایا۔

اس تجارتی قافلہ کے لئے واقعی یہ ایک سخت مصیبت تھی کیونکہ ادھر تو موسیو فابر جیسا چست چالاک آٹھوں گانٹھ کمیت قافلہ سالار مر گیا، اور ادھر قافلہ بھر میں کوئی اور ایسا نظر بھی نہ آتا تھا۔ جو اس کی جانشینی کر سکے۔ قافلہ میں ایک عام بے چینی، انتشار، اور بے آئینی پھیل گئی۔ مختلف لوگوں مختلف رائیں تھیں، کوئی کہتا تھا کہ قسطنطنیہ کو ان حالات کی اطلاع بھیج کر احکام حاصل کئے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ صندوقوں میں جو کچھ مال و اسباب ہے۔ اسے باہم تقسیم کر لیا جائے اور سب لوگ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ کہتے ہوئے منتشر ہو جائیں، بعض نیکدل لوگوں نے یہ مشورہ بھی دیا۔ کہ موسیو فابر کے پانزدہ سالہ لڑکے کو باپ کا جانشین بنا دیا جائے۔ مگر وہ لڑکا اس تجویز کے سنتے ہی رونے لگا۔

اور کسی طرح اس بار گران کے اُٹھانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ سب لوگ اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ اور ابھی کوئی رائے قائم نہ ہوئی تھی کہ یکایک مدموازیل ہیتت اپنی ادا ہائے دلبرانہ ترک کر کے ایک جری اور شجاع جنرل کی طرح آگے بڑھی اور ایک ایسی آواز سے جس میں نپولین کا سا عزم و استقلال تھا بولی کہ تم سبھوں نے یہ کیا فضول گفتگو شروع کی ہے لاؤ چابیاں میرے حوالے کرو۔ اگر موسیو فابر نہیں ہیں۔ تو کیا ہوا۔ میں ان کی جانشین بنوں گی، اور خدمات سفارت انجام دونگی"

دلیر اور باہمت دوشیزہ کی ہمتیں ایرانیوں نے اور بڑھا دیں اور بالآخر اس نے چابیاں لیکر ہی چھوڑیں۔ موسیو دامیل نے جن کی بیوی کے نام سے یہ کتخدا دوشیزہ مشہور تھی، اس تجویز سے خاص طور پر اختلاف کیا تو ان غریب کا وہی حشر ہوا جو ایک مستبد حکومت کے ہر سیاسی مخالف کا ہوا کرتا ہے۔ موسیو دامیل نہایت آرام کے ساتھ ایرانی قیدخانے میں پہنچا دیئے گئے، جہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ بیک وقت قید فارس اور قید حیات دونوں سے آزاد ہو گئے۔

موسیو فابر کے انتقال پُرملال کی خبر قسطنطنیہ میں موسیو فیری اول کے پاس بھی پہنچ گئی۔ اور انہوں نے جلد از جلد اپنے ایک نمائندے موسیو میشیل کو برسم یلغار ایران کو روانہ کیا تاکہ وہ موسیو فابر کی بجائے ایران کو جائیں اور مدموازیل ہیتت کو فرانس بھیجدیں۔ موسیو فیری اول کو کیا خبر تھی کہ مدموازیل ہیتت نے ایرانیوں کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے۔ اور تخت سفارت سے اس کا عزل کوئی آسان کام نہیں ہے مدموازیل کی برق تبسم میں وہ مقناطیسی کشش تھی، کہ ہر آہن دش غان بے اختیار اپنا دل ہاتوں میں لئے کھچا چلا آتا تھا۔ اور اس ملکہ حسن وزیبائی کی غلامی کو اپنے لئے فخر خیال کرتا تھا۔ مدموازیل کا اثر خاتون ہی تک محدود نہ تھا، اس نے حرموں میں جا جا کہ شہزادیوں کو پیرس کے نئے نئے فیشن سکھائے۔ اور اس طرح ان کے دلوں پر بھی سکہ جما لیا۔

موسیو میشیل آئے اور بیچارے بہت ہی جلد آئے۔ مگر یہاں پہنچکر انہیں معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ سے احکام جاری ہو جانا اور بات ہے اور ایرانیوں میں ان کی تعمیل اور بات۔ انہوں نے اپنی آمد کی غرض ظاہر کی اور چند روز تک کافی بحث و مباحثہ اور جھگڑا فساد ہوتا رہا مگر بالآخر نتیجہ یہی نکلا کہ دارالسلطنت ایران سے بھی فیصلہ یہ ہوا کہ مدموازیل آرہی ہیں۔ تو ہمارے سر آنکھوں پر مگر کسی میشیل ویشیل کے ہم روادار نہیں چنانچہ مدموازیل ہیتت بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اصفہان پہنچیں، جہاں شاہ ایران نے انہیں فرانس

کے سفیر کی حیثیت میں دربار میں داخل کر لیا۔ سینکڑوں برس کی بات ہے اس لئے اب ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ حسین و نازنین سفیرہ نے شاہ ایران سے مسئلہ تجارت پر گفت و شنید کی تھی، یا جنس حسن کا سودا ہوا تھا مگر یہ امر مسلمہ ہے کہ فرانس اور ایران کے مابین سیاسی تعلقات کی بنیاد اسی کے نرم اور نازک ہاتھوں سے پڑی تھی۔

ہر کمال کا نتیجہ زوال ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ اس لئے مدموازیل پیتیت کا عروج بھی مائل بہ پستی ہونا لازمی تھا، وہ غریب تو ایران کے شاہی دربار میں بیٹھی ہوئی اپنی برق پاش اور دلربا نگاہوں کے ذریعہ سے ایرانیوں کے دلوں میں فرانس کی محبت کا بیج بو رہی تھی، اور یہاں موسیو فیری اول نے پیرس کو اس کے خلاف شکایات لکھ کر اس کی کاٹنا شروع کی، اور چند ہی روز میں یہ حکم آ گیا کہ مدموازیل پیتیت فوراً قسطنطنیہ واپس بلائی جائیں اور وہاں سے انہیں براہ راست مارسیلز کی اس حوالات میں بھیج دیا جائے جہاں آوارہ اور بدچلن عورتیں رکھی جاتی ہیں۔

مدموازیل کو اگر کہیں جھوٹوں بھی یہ معلوم ہو جاتے کہ اس کی قسمتوں کا یہ فیصلہ ہوا ہے۔ تو وہ فوراً مسلمان ہو کر کسی نہ کسی خان کے کلبۂ احزاں کی زینت بن جاتے۔ مگر بدقسمتی سے وہ آخر تک یہی سمجھتی رہی کہ اس کی وطنی حکومت نے اس کی خدمات کی قدر کی ہے اور اسے سرفراز کرنے کے لئے بلا رہی ہے۔ چنانچہ وہ خوش خوش واپسی کے لئے آمادہ ہو گئی۔ اور تمام دور دراز سفر طے کر کے قسطنطنیہ پہنچی۔ موسیو فیری اول نے اُسے رکھا تو تھا سفارت خانے میں اس لئے کہ وہ ایک طرح کی حراست میں رہے۔ اور بھاگ نہ جائے۔ مگر دو ہی چار روز میں نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود اس کے حلقہ ہائے زلف میں اسیر ہو گئے موسیو فیری اول کی عمر اور صحت دونوں انہیں جواب دے چکی تھیں۔ مگر شاخ کہنہ کے میوۂ نورس کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ اب جو رپورٹ موسیو فیری اول نے بھیجی اس کا لہجہ اس قدر بدلا ہوا تھا کہ تعریف کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے لکھا کہ پیشتر جو کچھ خبریں پہنچی تھیں وہ یا تو بالکل ہی بے بنیاد تھیں۔ یا متوفی موسیو فابر کا نتیجہ اعمال کنواری پیتیت بہر صورت معصوم تھی، اور ہر قسم کے الزامات سے بری۔ مگر افسوس کہ موسیو فیری اول کی یہ سفارش کچھ کام نہ آئی۔ اور مدموازیل پیتیت کو مارسیلز والے شادی شدہ کنواریوں کے گھر میں پہنچا دیا گیا۔ اس گھر میں اسے بہت زیادہ دنوں تک نہ رہنا پڑا۔ کیونکہ اس کے کاغذات کا معائنہ کر چکنے کے بعد موسیو دو پونت شارترین نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے سزا نہ دی جائے۔ اور اس لئے انہوں

نے اس کے تمام کاغذات وکیل سرکار کو دینے کی بجائے موسیو لیباڑ کو دیدیئے جو فرانس کا مشہور مصنف گذرا ہے۔ اور جس کی تصانیف میں ژل بلا ناول بہت شہرت پا چکا ہے تا کہ اس مواد سے وہ ایک عمدہ اور دلچسپ ناول تیار کر سکے۔

لیباڑ نے سمجھا کچھ اور تھا۔ اور جب اُن کاغذات کا مطالعہ کیا کچھ اور اس کے دل نے گوارا نہ کیا کہ مدموازیل ہیتیت کو اپنے ناول کی ہیروان بنائے۔ اس طرح گو دنیا ایک دلچسپ افسانے سے محروم رہ گئی۔ مگر مدموازیل مذکورہ کی اہم کارگذاریوں کو کسی طرح نظرانداز نہیں کر سکتی۔ اسی نے سفیر و بن کر فرانس اور ایران کے تعلقات قائم کر دیئے اسی نے موسیو فابر کے انتقال پر قافلۂ سفارت کو لوٹنے سے بچایا اور خود سفارت کے بھیجے جانے کا خیال بھی اسی سبب سے پیدا ہو سکا۔ کہ وہ اپنا روپیہ موسیو فابر کو دینے پر آمادہ ہوگئی؛

(ھمدرد)

مقالاتِ احسنؔ

خدا والو! بتوں کا دخل و امکاں دیکھتے جاؤ
لٹا کرتے ہیں کیوں کر اہلِ ایماں دیکھتے جاؤ

سنا کر سرگذشت درد کوئی مرنے والا ہے
غمِ دل سنتے جاؤ ارخصت جاں دیکھتے جاؤ

ابھی تو دل! جگر! پھونکا ہے میرا! کیا خبر تم کو
دکھائے گی نہیں کیا! آہ سوزاں دیکھتے جاؤ

ہزاروں ایسے منظر ہیں جو کہنے میں نہیں آتے
ہوا کرتا ہے کیوں کر کوئی قرباں دیکھتے جاؤ

تمہارے دل کا پھر نا کیا! ہمارے دن تو پھرنے دو
چلے آؤ گے تم خود بن کے مہماں دیکھتے جاؤ

سرِ رہ ایک ہنگامہ سا مشتاقوں کا برپا ہے!
دکھاتے جاؤ صورت! محشرستاں دیکھتے جاؤ

یہ دیکھو داغ پنہاں! چشمِ گریاں پر نظر ڈالو!
محبت کا یہی کارِ نمایاں دیکھتے جاؤ

کفن! تابوت! تربت! شورِ ماتم اور اک مردہ
گئی گذری ہوئی حالت کا ساماں دیکھتے جاؤ

نظر آتا نہیں جز بے کسی احسنؔ کوئی ہمدم!!
کہوں کس سے کہ تم حالِ پریشاں دیکھتے جاؤ

(حضرت احسنؔ مارہروی)

دہقانی دوشیزہ

ملکۂ نازآفریں! اے پیکرِ حسن و حیا
شہر میں دیکھا نہیں میں نے تیرا ثانی کوئی
کس قدر دلکش ہے تیری ہر ادائے جاں ستاں
حسن کی دیوی ہے تو۔ یہ بات ہے مانی ہوئی

دور ہے تجھ سے ابھی شہری تمدن کا اثر
ایک ساری صرف تیرے حسن کی ہے پردہ دار
بے حجابی میں نہاں ہے رازِ عصمت کا تری
بے حجابی سے حیا کی شوخیاں ہیں آشکار!

سادگی میں حسن ہے اور حسن میں ہیں شوخیاں
شوخیوں میں مستیاں ہیں پاکبازی کی بھری
قاتلِ عالم بھی ہے تیری نگاہِ شرمگیں!
تیری آنکھوں میں مگر عصمت کی ہے تابندگی

دیکھتا ہوں میں ہمیشہ تجھ کو چشمِ شوق سے
دل میں ہو جاتی ہے پیدا درد الفت کی خلش
میری نظروں سے نہاں جس وقت ہو جاتی ہے تو
اور کچھ بڑھ جاتی ہے۔ سوزِ محبت کی تپش!

چاہتا ہوں تیرے جلوے وقف ہوں میرے لئے
تو ہو میرے سامنے اور میں تجھے دیکھا کروں
آ ادھر جاتی کہاں ہے۔ اس طرف دوڑی ہوئی
آ ادھر آ، تا کہ تیرے حسن کو سجدا کروں!

مضطرب ہے قلب میرا دے اسے تسکین کچھ
سوز سے معمور سرتاپا ہے یہ سازِ حیات!
سوزِ دل میں ساز کا بھی رنگ کچھ آمیز کر!
ہاں خدا کیواسطے اب اک نگاہِ التفات!

(ابوالفضل راز چاندپوری)

فراموشی!

کچھ تو محویت بھی اے دل چاہیئے

مکتبوں۔ مدرسوں۔ کالجوں۔ عدالتوں۔ دفتروں۔ بازاروں۔ دوکانوں۔ کارخانوں۔ مجلسوں اور محفلوں میں کس بات کا زیادہ چرچا اور زیادہ شور و غل رہتا ہے۔ اور کس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے؟

"حافظہ کی"

"یاد کی"

ہر شخص صبح سے لیکر شام تک اس حیص بیص میں رہتا ہے۔ خدا کرے آج وہ واقعہ وہ بات یاد رہ جاتے بھول نہ جائے۔ وکیل مختار۔ اہل کار۔ حاکم۔ جج۔ اہل مقدمہ۔ کاروباری لوگ یاد کی دیوی ہی کی سمرن میں رہتے ہیں۔ امتحان اگرچہ سال بھر کو ہی ہو۔ ایک محنتی طالب علم اسی فکر میں رہتا ہے۔ یا مولائے کریم وقت پر یاد جواب نہ دے جائے۔

خدا جانے وہ کیا پوچھے زبان میری سے کیا نکلے

اخباروں میں دیکھو تو صدہا حافظہ کی دواؤں اور معالجہ کے اشتہار نکلتے ہیں صدہا لوگ اشتہاری دوائیں منگواتے اور استعمال کرتے ہیں۔ صدہا لوگ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ حافظہ میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو۔ خوبی قسمت سے کوئی ایسی دوا مل جائے کہ برسوں کی بات بھی نہ بھولے سینا اور سطح دماغ پر نقش ہو کر رہ جائے اس لئے میں لوگ دہلی تک تو جاتے ہیں۔

دو چار دن علاج کر کے دوا کھا پی کر جب کچھ فایدہ نہیں دیکھتے تو مایوس ہو کر کوسنا شروع کرتے ہیں۔ دہلی کے اطباء سے بھی تشخیص مرض نہ ہوا۔ حکیم فقیر دہلوی ثم لاہوری کی دوا بھی کھا دیکھی نہ فایدہ ہوا اور نہ ہونا تھا۔

بیماری سے اٹھتے ہی سب سے اول اس کی شکایت ہوتی ہے۔ افسوس حافظہ تو رہا ہی نہیں وہ بھی دن تھے کہ مضمون کے صفحوں کے صفحے منٹوں میں یاد ہو جاتے تھے۔ اور آج یہ سماں ہے۔ کہ

گھڑیوں رٹنے سے دو لفظ بھی یاد نہیں رہتے۔ اللہ اللہ اب زندگی کا کیا مزا اور کیا لطف جب حافظہ کام ہی نہیں دیتا۔ کوئی بات یاد ہی نہیں رہتی تو پھر مزا کیا

آخر اس درد کی دوا کیا ہے!

زندگی دوبھر ہوگئی ہے۔ جان ایک وبال میں پڑگئی ہے۔ دیکھو پرسوں کہیں ایک شے رکھ بیٹھا ہوں۔ ڈھونڈ رہا ہوں۔ ملتی ہی نہیں۔ وہ جگہ ہی یاد نہیں آتی۔ ذہن سے کچھ ایسی اُڑ ی ہے۔ کہ خدا کی پناہ

میں تو میں عزیز حبیب کی یادداشت بھی یاں سن وسال جواب دے چکی ہے اور سنو لالہ سُندر داس کا حافظہ کیسا زبردست اور ٹکسالی تھا۔ اب اُن سے پوچھکر تو دیکھو سُنتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کچھ زمانہ ہی ایسا آگیا ہے۔ کہ حافظہ اور قوت یاد میں وہ تمسک نہ وہ طاقت وہ جودت اور وہ زور ہی نہیں رہا ہم تو بھلا اُدھیڑ عمر کے ہیں۔ نوجوانوں میں بھی یہ مرض بُری طرح میں پھیل رہا ہے۔۔۔ کل کے بچے بھی شاکی ہیں۔

العظمۃ للہ۔ زمانہ بھی عجب سماں دیکھا رہا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ حافظہ رہے ہی نہیں میاں دیکھتے نہیں کہ کوئی بات یاد رہتی ہی نہیں۔ جیب کی رکھی شے بھی بھول جاتی ہیں۔

تلاش کہیں کرتے ہیں اور ملتی جیب سے ہے!

اس سے بھی کچھ اور زیادہ

یہ فراموشی کا مرض بھی انسان کے واسطے ایک بے طرح روگ ہے۔ قدرت کو اس کے پیدا کرنے سے کیا ملا۔ یہ تو انسانیت کے واسطے ایک بلائے بے درماں ہے۔ خوش قسمت ہیں۔ وہ لوگ جنہیں عارضہ فراموش نہیں ورنہ جنہیں فراموش کا عارضہ ہے اُن کی بھی کوئی زیست ہے۔

سرگشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے!

یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ ایک خمیدہ پشت سفید ریش آدمی پاس سے گزرا۔ یہ چہ میگوئیاں سُن کر کھڑا ہوگیا۔ اگرچہ ناواقف تھا مگر دم بھر ٹھہر گیا۔ ہندوستان میں یورپ کا سا تو چلن نہیں کہ جب تک کوئی انٹروڈیوس نہ کرائے تب تک منتوں کیا گھڑیوں بولنا ہی حرام ہو۔

یہاں تو سلام علیکم اور بندگی بندگی ہی ہم کلامی اور واقفیت کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔ علیک سلیک

ہوتے ہی بے تکلف ہو گیا۔
خمیدہ پشت - یہ کیا شکایت ہو رہی ہے۔
شاکی - حضرت کیا پوچھتے ہیں۔ اس زمانہ کی انوکھی اور بھونڈی رفتا کا ذکر ہے۔
خمیدہ پشت - آخر ماجرا کیا ؟

کچھ تو کہا بھی ہوتا

شاکی - فراموشی کا رونا ہے - حافظہ میں خلل آ گیا ہے۔ کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ ادھر سنتا ہوں اور پھر بھول جاتا ہوں۔ شے رکھتا ہوں۔ پتہ ہی نہیں رہتا۔ عجب تکلیف میں ہوں۔ اطبا سے بھی مشورت کی مگر حافظہ ہے۔ کہ مانتا ہی نہیں یاد ہے۔ کہ یاد ہی سے نکلی جاتی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ سوائے یاد کے زندگی کیسے امن سے گذر سکتی ہے بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے۔
خمیدہ پشت - معلوم ہوا آپ عارضہ فراموشی سے بہت ہی تنگ ہیں۔ آپ کا حافظہ جواب دے چکا ہے۔
شاکی - ہاں حضرت !
خمیدہ پشت - آپ نے یہ کیونکر سمجھ لیا کہ فراموشی کی کوئی قیمت اور کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تو دیکھو آخر اس کی بھی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے
شاکی - تو یہ بڑے میاں شاید آپ یاد اور فراموشی میں فرق نہیں کر سکتے یا اس قابل ہی نہیں ہے کہیں سٹھیا تو نہیں گئے۔

ایں چہ دعوے مے کنی !

کیا بغیر یاد و حافظہ کے اس کائنات کا کام بھی چل سکتا ہے آپ فرماتے کیا ہیں۔
خمیدہ پشت - میں یاد اور حافظہ کی قیمت اور ضرورت سے ناواقف تو نہیں ہوں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ فراموشی کی بھی اس کائنات میں انسان کو ضرورت ہے۔ اور سخت ضرورت ہے۔ فراموشی بھی قدرت کی حکمت سے وجود پذیر ہے۔

فعل الحکیم لا یخلو امن الحکمت

شاکی - تو یہ تو یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور اس کا مطلب کیا ہے۔

خمیدہ پشت۔ بہت اچھا یہ تو فرمایئے۔ کہ آپ کے قبلہ گاہی زندہ ہیں یا وصال پا چکے۔

شاکی۔ ایک آہ سرد بھر کر۔ وہ تو کوئی ۱۰ سال سے جان بہ حق ہو چکے ہیں۔

خمیدہ پشت۔ جب وہ مرے تو آپ موجود تھے۔

شاکی۔ ہاں میرے ہاتھوں میں بزرگوار نے جان دی۔

خمیدہ پشت۔ اُن کی وفات سے آپ کو صدمہ تو ہوا ہوگا۔

شاکی۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ صدمہ کیا دل چھد گیا اور باپ بھی ایسے ہیں تو ہفتوں روتا رہا۔ دنوں روٹی بھی نہ کھائی۔

خمیدہ پشت۔ بے شک بعض صدمے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بھلا اب تو ایسا صدمہ نہیں۔

شاکی۔ رفتہ رفتہ بھول گیا۔ اور کبھی جب یاد آتا ہے۔ تو دل پر ایک زد سی پڑتی ہے!

خمیدہ پشت۔ اگر وہی صدمہ اب تک بھی رہتا۔ تو آپ کی حالت واقعی اچھی نہ رہتی۔

شاکی۔ دریں چہ شک۔

خمیدہ پشت۔ کبھی تو یہ صدمہ یاد آتا ہی ہوگا۔

شاکی۔ جب کوئی واقعہ متصلہ یاد آجاوے۔

خمیدہ پشت۔ بہت اچھا۔ سلام علیکم۔

شاکی۔ میرے سوال کا جواب تو آپ سے بھی کچھ نہ بن سکا۔

خمیدہ پشت۔ آپ ہی کی زبان سے میرا جواب ہو چکا۔ یا میں دے چکا۔

شاکی۔ حضرت وہ کیسے۔

خمیدہ پشت۔ دوست من اگر فراموشی آپ کی مدد نہ کرتی اور آپ کے دل و دماغ سے آپ کے والد مرحوم کا صدمہ وفات نہ بھلا دیتی تو چشم بد دور آج آپ کی حالت کیا ہوتی۔ یہ فراموشی ہی کا صدقہ ہے۔ کہ خود بدولت آج چین اور آرام سے براج رہے ہیں۔ یاد کرو ذرا اُس آسمان کو اور پھر

کھو کہ دو تین دن میں ہی کیا کچھ پتلا حال ہو گیا تھا۔ انسان پر اس زندگی میں بیسیوں صدمے گزرتے اور چند در چند دیں پڑتی ہیں۔ اگر قدرت صبر نہ دیتی اور فراموشی بھلا نہ دیتی تو آج کتنے انسان اس کائنات میں زندہ ہوتے

اگر حافظہ اور یاد کی ضرورت ہے۔ تو فراموشی کی بھی وقت پر ضرورت ہے۔ یہ کوئی فضول شے نہیں ہے۔ اس کے بنانے میں بھی حکمت ہے اور یہ بھی کوئی قیمت رکھتی ہے۔

اگر انسان کو حافظہ و یاد کی ضرورت ہے۔ تو اس فراموشی کی بھی ہے۔ آؤ میں تمہیں دکھادوں کس قدر روحیں اور کس قدر لوگ طرح طرح کے خیالات گذشتہ صدمات اور مایوسیوں کو یاد کرکر خود کو ایک بلا اور گرداب میں ڈال رہے ہیں نہ رات چین اور نہ دن کو آرام ؎

بلبل مستی چہ مے کنی ہائے
صیاد نشستہ درکمین است

وہ دیکھو ایک نوجوان جو سامنے بیٹھا ہے اُس کا بُشرہ کیا کہہ رہا ہے۔ اُسے کوئی بات رہ رہ کے یاد آتی ہے اور اُس کی جان پر ایک صدمہ لاتی ہے۔ وہ دیکھو ایک فرسودہ پیر فرتوت اپنی جوانی کی بے اعتدلیاں یاد کرکر کیسا ششدر اور حیران ہو رہا ہے۔ آؤ میں تمہیں اُس سے کچھ پچھوا بھی دوں۔

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

شاکی۔ بہت اچھا۔

خمیدہ پشت۔ السلام علیکم۔ حضرت کس فکر اور کس تردد میں بیٹھے ہو۔ بشرہ کہہ رہا ہے یا یہ کہ بشرہ مخبری کر رہا ہے۔ کہ دل پر کچھ گزر رہی ہے۔ اور دماغ ماؤف ہے۔

پیر فرتوت۔ سر اُٹھا کر۔

واللہ مرے کو مارے شاہ مدار۔ یہ قصہ کیوں چھیڑ دیا۔ یہ کمبخت بُشرہ ہی عجب مخبر ہے اور کیسا صادق مخبر۔ کیا پوچھتے ہو اپنی راہ لو۔ تمہیں ان بکھیڑوں سے کیا۔ میری جان پر جو بنی ہے تمہیں کیا بتاؤں۔

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے بھی
دوام خاطر کلفت ہے عیش دُنیا کا

خمیدہ پُشت۔ آخر کچھ تو فرمایئے کیا اور کیوں گھبراہٹ ہے۔

پیر فرتوت۔ ستیاناس ہو اس حافظہ اور اس یادکا رہ رہ کر اس عمر میں جب پچھلی غلطیاں اور رفتنیاں یاد آتی ہیں تو واللہ دل پر چھُریاں چل جاتی ہیں۔ بار بار گذشتہ را صلواۃ کہتا ہوں۔ مگر یہ یاد ہے کہ بار بار وہی تکلیف دہ سماں سامنے لے آتی ہے۔

نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد

خمیدہ پُشت۔ پھر اس کا کوئی علاج بھی۔

پیر فرتوت۔ دُعا کرو تموج خیالات نہ ہو۔ فراموشی غالب آجاوے۔ حافظہ کو آگ لگے۔ اور یاد جل بجھے۔ مجھے ایک آگ سی لگ رہی ہے گو بظاہر پانی کے کنارے اور حوض پر بیٹھا ہوں۔ مگر آتش حافظہ سے اندرونہ میرا جل رہا ہے۔ اور اُس آگ سے جو پانی سے کیا برف سے بھی بجھتی نہیں۔ سمندر میں بھی ڈال دو۔ تب بھی جلوں گا۔ کرۂ آب میں بھی یہ سوزش دور نہ ہوگی۔ ٹھنڈک سے ٹھنڈی ہوا بھی میرے واسطے گرم ہے۔

چہ پرسی از متاع خانۂ دل!!
ندامت ہرچہ دیدا زبیش وکم سوخت

خمیدہ پُشت۔ کیوں یاد تازہ کرتے ہو اور کیوں وبال میں پڑتے ہو۔

پیر فرتوت۔ کروں کیا حافظہ دم نہیں لیتا۔ رہ رہ کر پُرانے واقعات یاد آجاتے ہیں اور دل میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ بہتیرا سمجھاتا ہوں۔ اب کیا ہو سکتا ہے لیکن پیچھا نہیں چھوڑتی۔

وہ دیکھو ابھی ابھی ایک واقعہ یاد آیا ہے دل ڈوبا جاتا ہے۔ جوارح کمزور پڑتے جاتے ہیں۔ لو میں گیا۔

یہ کہا اور بوڑھا بے ہوش ہوکر گر گیا۔ نبض کمزور اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ ہاتھ پیر شل ہو گئے۔

کاٹو تو لہو نہیں

شاکی۔ ذرا خوف سے یہ کیا ہو گیا۔

خمیدہ پشت۔ خوف نہ کرو۔ یہ تمہاری چھینی یاد کا افسوں ہے۔ حافظہ جوبن لا رہا ہے۔
شاکی۔ اب اس کا علاج۔
خمیدہ پشت۔ "فراموشی"
شاکی۔ اُس کی سبیل۔
خمیدہ پشت۔ خدا ہی لائے تو آئے بہت لوگ ایسے مخمصوں میں ہی پھنسا کر اور ناچار ہو کر نشہ لگا لیتے ہیں۔ کوئی مجنوں ہو جاتا ہے۔ کوئی سڑی سودائی۔ کوئی مخبوط الحواس۔
شاکی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔
خمیدہ پشت۔ میاں صاحب یادیں اگر بہت سی صفات اور خوبیاں بھی ہیں تو کچھ بُرائیاں بھی ہیں جب کوئی تکلیف دہ واقعہ کبھی یاد آجاتا ہے۔ اور حافظہ پیش کر دیتا ہے۔ تو دل میں ایک زد سی پڑتی ہے۔ اور سوچتے سوچتے انسان کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے ندامت ستاتی ہے۔ اور بے کسی تنگ کرتی ہے انسان کا دماغ ماؤف ہو کر کام کرنے سے رہ جاتا ہے اور وہی حالت بعض وقت ہو جاتی ہے جیسے اِس بدبخت پیر فرتوت کی ہو رہی ہے۔
شاکی۔ ایسا حال عموماً کن لوگوں کا ہوتا ہے۔
خمیدہ پشت۔ جو خدا کی مہربانی سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں۔ کہ ایسی حالت اُن لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو زندگی کی دوڑ میں بگ ٹٹ بے سوچے سمجھے چلے جاتے ہیں اور تجربہ جن کا مددگار نہیں ہوتا۔ مگر ہم نے تو اس دوڑ میں بڑے بڑے تجربہ کار اور مشتاق و محتاط بھی گرتے دیکھے۔

نیست ہم داغ ما کسے واقف!
در محبت یگانہ سوختہ ایم!!

شاکی۔ اگر یاد و حافظہ کی اخیر پر یہی قیمت پڑتی ہے۔ تو میں اس سے باز آیا۔ اِس سے تو فراموشی ہی اچھی۔
خمیدہ پشت۔ نہیں نہیں۔ ہر نکتہ دہر مقامے۔ اپنا اپنا محل اور اپنا اپنا موقع ہے۔ کہیں یاد کی ضرورت ہے۔ اور کہیں فراموشی کی کبھی فراموشی کی ضرورت اخلاقاً پڑتی ہے اور کبھی اپنے آرام کیواسطے اگر تمہارے ساتھ کوئی بُرائی کرتا ہے۔ تو اس موقعہ پر اگر تم فراموشی سے کام لے سکو تو خوب ہے۔ اور

جب تم سے کوئی احسان کرتا ہے تو لازمی ہے کہ تم یاد سے کام لو۔

لیکن اگر تمہیں اپنی پچھلی کرتوتیں ستائیں اور تمہیں اپنے کرتب یاد آویں تو واقعی تمہارے واسطے یہ ایک سخت تکلیف ہے بہتر ہے کہ تم اس وقت فراموشی سے کام لو۔ ایسے وقت میں حافظہ اور یاد تمہارے واسطے وبال جان ہے۔

شاکی۔ سچ سچ سنو سنو ابھی ابھی مجھے اپنی زندگی کا ایک شرمناک واقعہ یاد آرہا ہے۔ اگرچہ میں تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ مگر بیچ ہی بیچ میرا دل مجھے شرم دلا رہا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ میرا بشرہ بھی خاموشی کیساتھ مخبری کر رہا ہو۔ اب میں سمجھ گیا یہ پیر فرتوت جس نشانہ کا شکار ہو رہا ہے۔ میاں صاحب ایسی یادداشت تو واقعی ایک دوزخ ہے۔ ہائے میں تو اب کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ میرے دل پر ایک صدمہ ہے جو میری سوچ کے لئے ایک سوہان ہے۔ میں یاد سے باز آیا اس سے تو فراموشی ہی اچھی دیکھو تو سہی یہ تھوڑی سی یاد میرے اور میری زندگی کے لئے کیسی آفت ثابت ہو رہی ہے ہائے یہ بات یاد ہی نہ آئی۔

ہوائے قفس ریخت آتش بہ بالم
چمن را بہ مرغ چمن مے گزارم

پیر فرتوت۔ ہوش میں آکر۔

نوجوان (شاکی) دیکھا ایک تھوڑی سی چنگاری کی بھی برداشت نہ کر سکے۔ ہم بھی ایک بدقسمت ہیں کہ میسوں آتش ندامت خرمن دل جلا رہی ہے۔ گویا دوزخ مجسم ہیں۔ ستیاناس ہو اس حافظہ اور اس یاد کا جو آئے دن ہی نہیں ہر گھڑی ایک وبال میں ڈال رہی ہے۔ یاد رکھو غلطیاں اور گناہ ایک آگ ہی نہیں بلکہ حافظہ کے روپ میں ایک دماغی سوزش بھی ہے۔ گناہ کی یاد ہی دل پہ صدمہ لاتی ہے۔ ترس رہا ہوں کہ عالم بے خودی نصیب ہو تڑپ رہا ہوں۔ کہ کوئی ایسا نشہ بے خودی چڑھے کہ اُترے ہی نہیں۔ اس سوچ اور اس خیال نے تباہ کر دیا اُدھر یاد اُس کی مدد میں ہو کر غضب ڈھا رہی ہے۔ دیکھو تو سہی بچپن کی باتیں یا لغزشیں بھی یاد آکر دماغ مختل کر رہی ہیں۔ کروں تو کیا کروں باوجود بے خود ہونے کے بھی باخود ہوں بیخودی میں بھی خودی کا سماں ہے۔

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق!
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے!

کاش میں اس ہوش سے بے ہوش اور مخبوط الحواس ہوتا۔ کاش میرے ہوش اور حواس میں یہ طاقت اور یہ رسائی نہ رہتی۔ کاش میں فراموشی مجسم ہوتا۔ کاش یاد کی بجائے میں فراموشی رکھتا۔ کاش میری سمجھ اس قدر تیز نہ ہوتی۔ کاش میں نشہ ندامت سے اس قدر چور ہوتا کہ میں گزشتہ واقعات کیا موجود کا بھی خیال اور تصور نہ کر سکتا۔

یاد رفتگاں میرے واسطے سوہان روح ہے۔ جو گزر چکے وہ تو واپس نہیں آ سکتے۔ اُن کی یاد مُڑ مُڑ کیوں واپس آتی ہے۔ اور کیوں رہ رہ کر جلاتی ہے جن کی یاد کراتی ہے اُنہیں تو واپس نہیں لا سکتی اور ہماری جان پر بناتی ہے۔

مردیم در حرم تو با داغ بے کسی!
اے وائے در وطن چہ غریبانہ سوختیم!

شاکی۔ معلوم ہوا کہ حافظہ بھی ایک بلائے بے درمان ہے۔

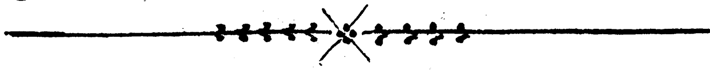
خمیدہ پشت۔ یہ نہ کہو حافظہ بجا ہے۔ خود فراموشی بجا ہے۔ خود خدائے قدیر کی کوئی خلقت بھی بے مصرف اور عبث و فضول نہیں۔ کبھی فراموشی بھی وبال ہو جاتی ہے۔ وہ دیکھو سامنے ایک اور شخص بیٹھا ہے باوجود اس نوجوانی اور شباب کے بھی مرض نسیان سے اس قدر ناچار ہے۔ کہ اپنی ہستی بھی بھول رہا ہے۔ دُنیا اُس کی نگاہوں میں عرصہ نسیان بن رہی ہے۔ اُس کی شکل ہی کہہ رہی ہے۔ کہ فرط نسیاں سے بے طرح گزار رہا ہے۔

مجھے فراموشی کی تائید یوں کرنی پڑی کہ تم نے اُس کی ہستی اور ضرورت ہی کا خاتمہ کر دیا تھا۔

السلام علیکم

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال!
دل گم گشتہ مگر یاد آیا!!

مرزا سلطان احمد



خبرِ آرزو

آ و فورِ یاس دادِ دردِ اُلفت دے مجھے!
آ کہاں ہے سوزِ غم رونے کی ہمت دے مجھے

وہ مجھے پوچھیں نہ ہے قسمت کہاں ایسے نصیب
دل کا ہر ذرہ سُنائے گا میرا حال غریب!

وہ اگر پوچھیں تو عرضِ حالتِ دل کیا کروں
غیر ممکن ہے بیانِ رازِ محفل کیا کروں

کیا بتاؤں صورتِ عرضِ تمنا کچھ نہیں
درد وہ رکھتی ہوں میں جس کا مداوا کچھ نہیں

دل کا ارماں زندگی ہے اک زمانے کے لئے
آرزو پیدا ہوئی میرے مٹانے کے لئے

انبساطِ آرزو میں خوفِ رُسوائی نہیں
میں تمنا کی فدائی ہوں تمنائی نہیں

عشق افسانہ ہے دل کی آرزو اک راز ہے
زندگی پیمانۂ لبریزِ سوز و ساز ہے!

آرزو ہی دردِ دل ہے اور درماں آرزو
آرزو ہی جانِ لبوا جان کی جاں آرزو

آرزو ہی آرزو ہے دولتِ دنیا و دیں
آرزو ہی آرزو ہے زینتِ خلدِ بریں

آرزو ہی آرزو ہے جلوۂ ذات و صفات
آرزو ہی آرزو ہے پردۂ موت و حیات

جنکو دنیائے وفا میں درد کی تمیز ہے
وہ سمجھتے ہیں وفورِ آرزو کیا چیز ہے

کیا کروں میں زندگی کی بے ثباتی کا گلہ
حشر ڈھائیگا تیری بے التفاتی کا گلہ

نا اُمیدی آ مجھے دُنیا سے کھونے کے لئے
آ شکستہ آرزو تربت پہ رونے کے لئے

یاس اب لکھدے وحیدؔ زار کی تربت پہ تو
اسطرح برباد ہوتے ہیں خبرِ آرزو!

وحید النسا بیگم صاحبہ وحیدؔ اکبر آبادی۔

طلائی طاؤس

(سلسلہ کے لئے ستمبر کی اشاعت ملاحظہ ہو)

"تاہم چھوٹی بہن کاریلی سوائے اس کے میں کر ہی کیا سکتا ہوں"۔ اوہ میں آپکو اپنا سچا ہی خواہ سمجھکر منت د خوشامد کرتی ہوں۔ کہ للہ اس کے متعلق کوئی دوسری سبیل نکالئے مجھ کو زبان زد خلائق نہ بنائیے۔ میں ہر شخص کی زبان کا تذکرہ نہیں بننا چاہتی"

"کپتان بیلول۔ کاریلی کی یہ پرجوش گفتگو سُن کر تعجب سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"چھوٹی بہن کاریلی۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ تمہارا ذکر کسی کی زبان پر نہ آئے گا"

چھا تو پھر آپ اس آدمی کا کیا کریں گے۔

"بھئی واہ" اس نے ہنسکر کہا۔ اگر اس نے میرے سوالات کا جواب دیا۔ تو میں اُس سے نہایت اخلاق سے پیش آؤں گا۔ اور تمہارے ساتھ نیک سلوک کرنے کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اُس سے کہونگا۔ کہ جا بھائی اپنا راستہ لے"۔

وہ اُٹھکر کھڑا ہو گیا"

چھوٹی بہن کاریلی۔ کیا تم اُسے نہیں دیکھنا چاہتیں"

نہیں میں بیحد مضمحل ہو گئی ہوں۔ اگر میری خاص ضرورت نہ ہو تو آپ خود اُس سے ضروری سوالات کر لیں۔ بعد ازاں آپ مجھ کو بتلا دیجئے گا۔"

کاریلی کے نازک جسم کے لئے دایہ کی خدمات انجام دینا ہی کیا کم تھا۔ اُس پر حملہ کی صعوبت و پریشانی نے واقعی اُسے بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ کپتان نے مزید اصرار نہیں کیا۔ اور کمرہ کا دروازہ کھولکر باہر پہنچ گیا۔ کاریلی نے اُسے یابوہن کو اس طرح مخاطب کرتے سُنا۔

خوب یابون تم نے اچھی نگرانی کی۔ کوئی خاص بات تو پیش نہیں آئی۔ گرفتا شدہ مجرم کا کیا حال ہے اخاہ دوست تم یہاں پڑے ہو۔ کہو کچھ سانس آئی۔ ادہو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یابون کی گرفت

کسی قدر سخت ہوگئی۔ ہائیں یہ کیا۔۔ کیا تم کوئی جواب نہ دو گے۔ اُف ستم۔ یہ کیا غضب ہے۔ اُف اس کے تو پھانسی لگی ہوئی ہے۔۔"

کپتان کے منہ سے حیرت میں ایک چیخ سی نکل گئی۔ خاتون کمرہ سے جھپٹی۔۔ اور اس کی کپتان سے سخت ٹکر ہوگئی۔ جو دروازہ پر راستہ روکے کھڑا تھا۔

اوہ تم یہاں نہ آؤ" کپتان نے گھبرا کر کہا۔ "اب کیا فائدہ"

مگر کیا۔ آپکو کوئی زخم آگیا۔" کاریلی کہنے لگی"

"میرے!"

"ہاں آپ کی آستین پر خون کا داغ ہے"

"ہاں ضرور مگر یہ کچھ نہیں یہ اسی شخص کا خون ہے جو اتفاق سے لگ گیا ہوگا

"ہائیں تو کیا اُسے زخم پہنچا تھا"

"کیا کہا جائے۔۔ کم از کم اُس کے منہ سے خون جاری ہے۔ کوئی مہلک تدبیر"

"لیکن یہ کیسے یابون کی گرفت اتنی سخت تو نہیں ہو سکتی"

"یہ یابون کی گرفت کا اثر نہیں"

"پھر آخر کون؟"

"اُس کے رفقاء"

"کیا وہ دوبارہ واپس آئے"

"ہاں اور گلہ گھونٹ کر چلے آئے"

"اوہ یہ کیسے ممکن ہے"

وہ تیزی سے مقتول قیدی کی طرف بڑھی وہ بالکل بے حس و حرکت پڑا تھا۔ چہرہ پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی اور اُس کے گلے میں ایک سُرخ ریشمی تار پڑا ہوا تھا۔ جس کے دونوں سرے کی گھنڈیاں ایک دوسرے سے کسی ہوئی تھیں۔



دُوسرا باب

دست راست و پائے چپ

"چھوٹی بہن کاریلی۔ خس کم جہاں پاک۔ دُنیا ایک مردود سے تو پاک ہُوئی" پیٹرس بیلول نے دوبارہ بڑے کمرے کی طرف واپس ہوتے ہوئے۔ کاریلی کو مخاطب کر کے کہا۔ اور دوسری طرف بابون سے بہ عجلت یہ الفاظ کہے۔ "دیکھو اس کا نام یاد رکھنا۔ میں نے اُسے اُس کی گھڑی پر کندہ دیکھا ہے۔ مُشتاق روالف اس بدمعاش کا یہ نام ہے" کپتان کا لہجہ بیحد پُر مذاق ہو گیا تھا۔ اُس کی آواز میں ذرا بھی تھرتھراہٹ نہ تھی چنانچہ کمرہ میں اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے اُس نے یوں کہنا شروع کیا۔"

"چھوٹی بہن کاریلی۔ نہیں اور مجھے جنہوں نے ہزار ہا پر الم واقعات کا مشاہدہ کیا ہے اور صدہا نیک ہستیوں کو جان سے گذرتے دیکھا ہے۔ اُس کی قطعی ضرورت نہیں۔ کہ مشتاق والف کی موت یا اُسی کے ساتھیوں قتل ہو جانے پر آنسو بہائیں۔ اور نہ ایسے بدمعاش کے تجہیز و تکفین کی حاجت ہے میں نے بابون سے کہدیا ہے کہ جب میدان آیند و روند سے صاف ہو جائے۔ تو اُسے کاندھے پہ لاد کر رو بر گلنولس تک لیجائے۔ اور وہاں لوہے کی سلاخوں پر رکھکر اس لاش کو باغ میوسی گلبرا کے اندر پھینکدے سلاخیں گو اونچی ہیں۔ مگر یا تون کا داہنا ہاتھ کسی کام سے رُک نہیں سکتا۔ لو چھوٹی بہن کاریلی۔ یہ معاملہ تو یوں دب گیا۔ اب کوئی تمہارا ذکر نہیں کر سکتا۔ اور اب تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔۔" وہ ہنسنے کے لئے رُک گیا۔

"بس صرف شکریہ کوئی تعریفی لفظ نہیں۔ اس واسطے کہ خدا کی قسم مین کچھ عمدہ نگہبان نہیں۔ ذرا دیکھو تو۔ کس چالاکی سے اُنھوں نے میرے گرفتار کردہ قیدی کو مہر بند سے آزاد کردیا لاحول ولا قوۃ۔ میں نے یہ پہلے ہی سے کیوں نہ سوچ لیا۔ کہ تمہارا دوسرا حملہ آور یعنی وُہی خاکی ٹوپی والا۔ دوڑکر اُس تیسرے شخص کو اطلاع دیگا۔ جو موٹر لئے انتظار میں کہیں کھڑا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں اپنے رفیق کو رہائی دلانے کے لئے واپس آئیں گے۔ وہ لوگ واپس آتے۔ اور جس وقت میں

اور تم مصروف گفتگو تھے۔

انہوں نے شاگرد پیشہ کی طرف سے دروازہ کھولا۔ اور باورچیخانہ سے ہوتے ہوئے اُس دریچہ کے قریب آ گئے۔ جو روش اور بڑے کمرہ کے درمیان ہے۔ اُسے آہستگی کھولا۔۔۔ اُن کا رفیق بالکل نزدیک صوفہ پر بیہوش پڑا ہوا تھا۔ اب یہ لوگ کرتے تو کیا کرتے۔ بلا یابون کو بے ہوش یا لاچار کئے یہ ناممکن تھا۔ کہ اپنے رفیق کو کمرہ سے اُٹھا لے جائیں۔ تاہم اگر وہ اُسے رہا نہ کر سکے۔ تو یہ امر یقینی تھا۔ کہ وہ ہوش میں آ کر تمام حقیقت واضح کر دیگا۔ اور اس طریق پر وہ تمام رفقاء اور ان کی مجوزہ اسکیم تباہ و برباد ہو جائیگی۔ پس اُن میں سے ایک نے با آہستگی اپنا بدن ذرا آگے کی طرف خم کر کے یہ پھندا اُس کے گلے میں ڈال دیا جس کو یابون کے ہاتھ قبل ازیں ہی سخت اذیت پہنچا چکے تھے۔ سر کی دونوں گھنڈیوں کو ملا کر رفتہ رفتہ کھینچنا شروع کر دیا۔ اور آخرش موت واقع ہو گئی۔ نہ کوئی آواز نکل سکی نہ آہ۔ اور سارا کام خاموشی سے انجام پا گیا۔ دیکھا یوں آئے۔ یوں مارا۔ اور یوں چلے گئے۔ تسلیمات عیاری چل گئی۔ اب اُن کا ساتھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا"

کپتان بیلول کا مذاق اور ترقی کر گیا۔

"اب دوست کبھی نہ بول سکیں گے۔ اور پولیس والے جب صبح کو اس کی لاش باغ کے اندر پائیں گے۔ تو اُن کی سمجھ میں خاک نہ آئیگا۔ اور اس طرف چھوٹی بہن کا ریلی۔ ہم کو بھی کبھی یہ بات نہ معلوم ہوگی۔ کہ اُن لوگوں نے کیوں اس بزدلی کیساتھ تم کو لے اُڑنے کی کوشش کی۔ اور اس سے تمہیں بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ میں اقرار کر چکا ہوں۔ کہ میں عمدہ نگہبان نہیں۔۔ لیکن مجھ میں سراغرسانی کا مادہ ضرور ہے"

وہ بدستور کمرہ میں ٹہل رہا تھا۔ اور اس واقعہ کا کہ اُس کی ٹانگ یا کولہا زخمی ہو چکا ہے۔ اُس پر چنداں اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ گھٹنے کے جوڑ اور پنڈلی کی ہڈی میں ذرا سا نقص واقع ہو گیا تھا۔ اس لئے کولہوں اور بازوؤں میں ایک معمولی غیر آہنگی ضرور پائی جاتی تھی۔ بایں ہمہ اُس کا دراز قد اس لنگ کو بہت کچھ چھپانے پر قادر تھا۔ جس کا احساس چلنے کی صورت میں اس لئے اور بھی کم ہوتا تھا کہ کپتان اُس کی تکلیف کو حتی المقدور قطعی محسوس نہ کرتا تھا۔

اُس کا چہرہ کشادہ۔ تمازت آفتاب اور غیر ملک کی آب و ہوا سے اثر انداز ہو کر کسی قدر

سیاہی لئے ہوئے تھا۔ مگر نیک نیتی۔ شگفتہ طبعی۔ اور مذاق سلیم عیاں تھا۔ اُس کی عمر ۲۸ و ۳۰ سال کے درمیان تھی۔ اُس کے ظاہری اطوار و اخلاق سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ سلطنت کے اُن اعلیٰ افسران میں سے ہے۔ جو فوجی زندگی بسر کرنے کے باوجود اپنے اندر وہ خوبیاں لے کر نکلتے ہیں جو بعد ازاں سوسائٹی میں خواتین کو لبھانے میں کارآمد خیال کی جاتی ہیں۔

وہ ایک لمحہ کے لئے کاریلی پر نظر ڈلنے کے لئے رُکا۔ جس کا حسن آفریں کتابی چہرہ آگ کی دمک سے چمک رہا تھا۔ یکایک وہ نزدیک آکر اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھ گیا " مجھے تمہارے متعلق کچھ بھی علم نہیں"! اُس نے نہایت ملائمت کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ " ہسپتال کے اندر دوسری دایہ اور ڈاکٹر صاحبان تم کو کاریلی کے نام سے پکارتے ہیں۔ تمہارے مریض تم کو چھوٹی بہن کہتے ہیں اب یہ بتلاؤ۔ کہ تمہارا شادی کے بعد اور شادی سے قبل کا نام کیا ہے۔ تم کس مقام پر سکونت رکھتی ہو۔ یہ آج تک نہ معلوم ہوا۔ تم ہر روز ایک ہی وقت سے آیا کرتی ہو۔ اور شام کو ایک ہی سڑک سے جایا کرتی ہو بعض اوقات ایک بڈھا خادم لمبے لمبے سفید بال اور اونچی ڈاڑھی والا۔ گلے میں مفلر لپیٹے۔ آنکھوں پر زرد عینک چڑھائے۔ تمہارے ساتھ آتا ہے۔ اور پھر واپس لیجاتا ہے۔ بعض اوقات وہ تمہارا انتظار بھی کرتا ہے۔ مگر بیٹھتا ہے۔ اسی ایک مخصوص کرسی پر۔ اُس سے اکثر سوالات کئے گئے۔ مگر اُس نے آجتک کسی کو کچھ جواب نہ دیا۔ بس مجھے تمہاری نسبت ایک بات ضرور معلوم ہے۔ اور وہ یہ کہ تم نہایت ہی نیکدل اور مہربان خاتون ہو۔ اس کے علاوہ اگر تم بُرا نہ مانو تو کہدوں۔ وہ۔ وہ یہ کہ تم بلا کی حسین و خوبصورت ہو۔ چھوٹی بہن کاریلی۔ یقین جانو۔ شاید اس کی تہ میں یہی وجہ ہے۔ کہ مجھے تمہارے متعلق ہر ایک بات نہایت پُراسرار اور پُر از غم نظر آتی ہے۔ تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم رنج و غم کے درمیان زندگی بسر کرتی ہو۔ اور اپنی تنہائی سے بیحد متاثر ہو۔ غالباً کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو تم کو سر پر بنانے اور تمہاری خاطر خواہ خبر گیری کی کوشش کرے۔ چنانچہ مجھے یہ خیال ہوا۔ اور عرصہ سے اسی خیال کے زیر اثر میں مناسب موقعہ کا منتظر تھا۔ کہ تم سے کہوں۔ اور صاف صاف کہدوں۔ کہ تم کو ایک دوست ایک رفیق۔ ایک بھائی کی طرح محبت کرنے والے شخص کی ضرورت ہے۔ جو تم کو نیک صلاح دیکر ہر ایک خطرہ سے محفوظ رکھ سکے۔ چھوٹی بہن کاریلی کیا میرا خیال درست نہیں؟"۔

جیوں جیوں کپتان کی گفتگو بڑھتی گئی۔ کاریلی وہاں کر اس قدر پیچھے ہٹ گئی۔ کہ ان کے درمیان

کافی فاصلہ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُسے اپنی پراسرار زندگی کا رازدار نہ بنانا چاہتی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

"نہیں جناب۔ آپ کا خیال درست نہیں۔ میری زندگی بالکل سادہ ہے۔ مجھے کسی کی امداد و حفاظت کی ضرورت نہیں"

"تمکو کسی کی ضرورت نہیں!" کپتان نے عجیب جوش کے ساتھ کہا۔ آہ۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو آخر یہ لوگ کون تھے۔ جو تم کو اس طریق پر لے اُڑنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ یہ سازش صرف تمہارے ہی لئے کی گئی تھی۔ اوہ۔ سازش بھی کیسی جس کا ڈر تمہارے حملہ آوروں کو اسدرجہ ہراسان کئے ہوئے ہے۔ کہ انہوں نے اپنے رفیق کی جان تک لینے سے دریغ نہیں کیا۔ کیا یہ تمام باتیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ کیا میں پاگل ہوں۔ کہ تم کو باوجود خطرات میں گھرا دیکھکر آگاہ کرتا ہوں۔ کہ تمہارے ایسے دشمن موجود ہیں۔ جنہیں کسی امر میں باک نہیں۔ جن کی سازشوں کے خلاف تمکو محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اب بھی تم میری امداد کو ٹھکراتی ہو۔ تو خیر میں خود ہی۔"

کاریلی خاموش رہی۔ اور اس قدر دور سرک گئی۔ گویا کپتان کو دشمن سمجھکر ڈرتی ہو۔ کپتان نے مرمری آتشدان پر زور سے ہاتھ مارا۔ اور استقلال کے ساتھ کاریلی کی طرف جھک کر اپنا فقرہ یوں تمام کیا۔

اگر تم میری امداد کو ٹھکراتی ہو۔ تو میں خود تم کو اُس کے منظور کرنے پر مجبور کروں گا"

کاریلی نے اپنا سر ہلایا۔

"نہیں میں تمکو مجبور کروں گا" افسر نے مکرر کہا۔ "یہ میرا فرض۔ میرا حق ہے"

"نہیں" کاریلی نے دبی زبان سے کہا۔

"بیشک۔ یہ میرا حق کلی ہے" کپتان بیلول کہنے لگا۔ "صرف ایک وجہ سے۔ جو ہر ایک امر کو۔۔۔۔ پس پشت ڈالدیتی ہے۔ اتنی زبردست وجہ جو اس سے بھی مستغنی کر دیتی ہے۔ کہ میں تمہاری رائے بھی لوں۔"

"اس کا کیا مطلب"

"یہ کہ مجھے تم سے الفت ہے۔ محبت ہے، عشق ہے۔"

ایک عاشق مہجور کی طرح دبی زبان سے نہیں۔ بلکہ اُس نے ان الفاظ کا اعادہ بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ اس طرح فخریہ کیا۔ گویا وہ اپنے جذبہ الفت پر نازاں اور اس کے اظہار پر مسرور ہے۔

خاتون کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ شرما گئی۔ کپتان نے موقعہ پاکر پھر اپنی گفتگو شروع کر دی "

"چھوٹی بہن کاریلی ۔۔۔ واللہ ۔۔۔ میرا یقین کرو۔ کہ میں پرجوش ولولوں کے اظہار سے قاصر آہیں بھرنے سے مجبور۔ لاڈ و پیار دکھلانے یا منت و خوشامد کرنے سے معذور ہوں۔ صرف تین سادہ الفاظ ہیں جنکو میں نے تمہارے سامنے پیش کر دیا۔ اور جن کا مطلب تم خوب سمجھتی ہو۔ کاریلی۔ خدا جانتا ہے۔ تمہارا یہ شرمگین انداز ہی بلا کا دلفریب ہے۔ مجھے تم سے کب محبت پیدا ہوئی۔ اس کا احساس تمہارا دل ہی خوب کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ جسوقت تمہارے نزاکت بھرے دست سیمین نے میرے زخم خوردہ سر کی مرہم پٹی شروع کی۔ اُسی وقت جذبۂ محبت نے دولوں دلوں میں جگہ پیدا کی۔ کیا بات تھی۔ کہ دوسرے کے ہاتھوں سے مجھے سخت اذیت و تکلیف ہوتی تھی۔ اور جہاں تم نے ہاتھ لگایا۔ ساری تکلیف کافور۔ اصل وجہ یہی تھی۔ کہ مجھے درد و تکلیف میں پاکر تم اکثر آنسو بہایا کرتی تھیں۔ آہ۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی ہستی ہو سکتی ہے۔ جس کی نظر تم پر پڑے۔ اور وہ تم سے محبت کرنے پر مجبور نہ ہو جاتے؟ چھوٹی بہن کاریلی۔ تمہارے وہ سات صحتیاب مریض جو ابھی ابھی یہاں موجود تھے تم پر دل وجان سے شیدا ہیں۔ یا یوں تو جس جگہ تمہارے قدم پڑ جائیں اُس زمین کی پرستش کیا کرتا ہے مگر وہ سب بیچارے معمولی سپاہی ہیں۔ اپنا جذبہ دل ظاہر نہیں کر سکتے۔ میں ایک اعلیٰ افسر ہوں۔ اس لئے میں بلا کسی تامل و پریشانی کے اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہوں۔ اور تمہیں یقین دلاتا ہوں۔"

کاریلی اپنے ہاتھوں کو تاباں رخساروں پر رکھے آگے کی طرف جھکی ہوئی۔ بدستور خاموش بیٹھی تھی۔

"جو کچھ میں نے کہا۔ تم اُس کا مطلب سمجھیں کہ نہیں۔ میں نے ابھی کہا تھا۔ کہ میں نے اپنا عندیہ بلا کسی تامل کے ظاہر کر دیا۔ جو حالت میری اسوقت ہے ۔۔۔۔۔۔۔ (یعنی ایک لنگڑا آدمی ہوں) اگر جنگ سے پہلے صورت حال یہی ہوتی۔ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ میرے اظہار محبت کی صورت کیا ہوتی۔ ممکن ہے۔ اُس حالت میں میں یقیناً دوزانو ہو کر تمہارے دست سیمین کو بوسہ دیتا۔ اور اس جسارت

کی معافی مانگتے ہوئے۔ اپنی پریشانیٔ دل کا اظہار کرتا چھوٹی بہن کا پیلی۔ خدا گواہ ہے۔ کہ اس وقت جبکہ میں اُس خاتون کے روبرو بیٹھا ہوا ہوں۔ جس پر میری جان نثار ہو چکی ہے۔ مجھے اپنی حالت کا ذرا بھی احساس نہیں۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آتا۔۔ کہ تم دل میں میری حالت دیکھکر مضحکہ اُڑاتی ہو گی...."

وہ پھر ذرا دیر سانس لینے کے لئے رُک گیا۔ اور اس طرح سلسلہ کلام جاری رکھا" سچ تو یہ ہے۔ کہ ہونا بھی یہی چاہیئے۔ تاکہ لوگ سمجھ لیں۔ کہ وہ اشخاص جو اس جنگ عظیم میں ناکارہ ہو گئے ہیں۔ ہنوز اپنے کو آدمیت باہر نہیں سمجھتے۔ اس سے کیا بحث۔۔ کہ وہ لنگڑے.... لولے.... یا زخمی ہیں۔۔ بہر حال وہ آدمی ہیں.... اور آدمی رہیں گے۔ مانا کہ کسی کی ایک ٹانگ چھوٹی ہو گئی۔ تو پھر کیا اس سے اُس شخص کا دل و دماغ بھی معطل ہو گیا۔۔ فرض کرو... کہ اس جنگ میں میری ایک ٹانگ یا ایک ہاتھ۔ دونوں ٹانگیں یا دونوں ہاتھ جاتے رہیں۔ تو کیا مجھے یہ بھی حق حاصل نہیں رہا۔ کہ میں کسی معزز خاتون سے محبت کر سکوں۔ وہ بھی صرف اس خیال سے کہ وہ میری حالت پر رنج و افسوس کرتی ہو گی۔۔ اُف... کس قدر افسوسناک بات ہے... استغفر اللہ... ہم اس کو برداشت کر سکتے ہیں۔ کہ عورتیں ہماری حالت پر رحم کھائیں۔۔ نہ ہماری یہ خواہش ہے... کہ وہ ہم سے بلا وجہ محبت... یا ہماری حالت دیکھکر محض خوف خُدا سے نیک سلوک و عنایت کا اظہار کریں۔۔ ہم عورتوں.... ساری دنیا... اور ان تمام لوگوں سے جو روزانہ ہمارے دوش بدوش سڑکوں پر چلا کرتے ہیں۔ صرف اس امر کے طالب ہیں۔ کہ وہ ہمکو مساوات کا درجہ دیں۔ جو محض ان کی خوش قسمتی و بزدلی کے صلہ میں ہے۔۔۔ اپنی تقدیر سے بچ کر زندہ واپس آ گئے..."

کپتان نے پھر ایک مرتبہ جوش کے ساتھ آتشدان پر ہاتھ مارا۔۔"

"ہاں..... قطعی مساوات..... ہمارے مانند سب... خواہ ایک ٹانگ غائب ہو یا ایک ہاتھ.... خواہ کانے ہوں۔۔ یا اندھے... خواہ کبڑے ہوں یا بدشکل..... بہ لحاظ جسم و جان.... از روئے قانون اخلاق بالکل دوسروں کے مانند بلکہ اُن سے بہتر ہیں..... کیا... کیا وہ لوگ جن کی ٹانگیں یہاں دفاتر میں آرام سے بیٹھکر آگ کی گرمی کا لطف اُٹھایا کرتی تھیں۔ (باقی آئندہ)

ایم۔ شمیم بلہوری۔

غزلیات

(۱)

خیالی گفتگو ہے اور میں ہوں
وہ کافر روبرو ہے اور میں ہوں

وہی جام و سبو ہے اور میں ہوں
تمنائے وضو ہے اور میں ہوں!

جہان رنگ و بو ہے اور میں ہوں
کسی کی آرزو ہے اور میں ہوں!

جنوں کی یا خدا کچھ انتہا بھی!
وہی جوش نمو ہے اور میں ہوں!!

کسی کی برق چشمی کے میں قرباں
دل صد پارہ تو ہے اور میں ہوں!

تمنائے سکون قلب بیکار
کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں!

دکھا اے جذب دل اپنا اثر کچھ
نہیں تو آج تو ہے اور میں ہوں!

جنون فتنہ ساماں کا برا ہو!
گریباں کا رفو ہے اور میں ہوں!

شب فرقت کی تنہائی کا کیا غم
خیال یار! تو ہے اور میں ہوں!

خلیل اس بدنصیبی کا بُرا ہو!
شکست آرزو ہے اور میں ہوں

(محمد عبد الاحد خاں خلیل شاہجہانپوری)

(۲)

عارف دہر ذات ہوں، بادہ خور الست ہوں
کون و مکان سے بے خبر دید میں اسکی مست ہوں

گرچہ ہوں وقف بیخودی میکدۂ حجاز میں
سمجھے نہ کوئی میگسار مجھکو کہ حق پرست ہوں!

واعظ خشک! تو نہیں رمز شناس معرفت
قال نزا میں کیا سنوں حال میں اپنے مست ہوں

حسن ازل! تجھے قسم اپنی نگاہ ناز کی!
دیکھ ادھر بھی اک نظر کب سے میں دل شکستہ ہوں

میری نگاہ ہے بلند قید تعینات سے
کعبہ کو سجدہ کیوں کروں، کوئی میں بت پرست ہوں

خوف فنا نہیں مجھے، اب ہے بقا مرے لئے　　اپنی خودی مٹا چکا ہوں سے اسکی ہست ہوں!

وہ ہے محیط کائنات، جلوہ ہے اُس کا ہر جگہ
بندۂ حسن ہوں میں رازؔ۔ یعنی خدا پرست ہوں

ابوالفاضل رازؔ چاندپوری

(۲۷)

دل میں رہنے دو خدا کیلئے پیکاں کوئی　　گھر کی رونق نہیں جب تک نہ ہو مہماں کوئی
بھول جائیگا یہ دلکش یہ قفس ہے بلبل!　　تو نے ناداں اسے سمجھا ہے گلستاں کوئی
گھر ہی میں بیٹھ رہے ہم اُسے ویراں کرکے　　اپنی مرضی کا جو پایا نہ بیاباں کوئی!
یہ کھٹک سینہ میں بیوجہ نہیں ہے میرے　　رہ گیا ہو کہیں پہلو میں نہ پیکاں کوئی!
پھر کہاں لطفِ خلش ٹوٹ گئے سب جو کہیں　　آبلہ رہنے دے اے خارِ مغیلاں کوئی!
مرحبا دستِ جنوں ایک نہ باقی رکھا　　تارِ داماں کوئی یا تارِ گریباں کوئی!
ایک حالت پہ زمانہ کو نہ دیکھا ہم نے　　خندۂ گل ہے کہیں، دیدۂ گریاں کوئی
موسم گل ہی سہی، روز کہاں سے لائے　　تجھکو اے دستِ جنوں جیب و گریباں کوئی
یارب آہستہ چلے شہر خموشاں میں ہوا!　　لیکے نکلا ہے چراغ تہ داماں کوئی!!
واسطہ ساقیٔ کوثر کا تجھے پیر مغاں!　　بھر کے مجھ کو بھی پلا بادۂ عرفاں کوئی!
دید وادید بھی ہوجائے گی معراج تو ہو　　عرش ہے طور نہیں موسئے عمراں کوئی

دیکھنا خانماں برباد نہ ناظرؔ تو نہیں
آرہا سامنے ہے سوختہ ساماں کوئی!

ناظرؔ

(۴)

عکس ریز اس میں اگر جلوہ ترا ہو جائیگا
دیکھنے کی چیز دل کا آئینہ ہو جائے گا

یا نہ ہوگا انصرام وصل یا ہو جائے گا!
آج اُس سے مل تو لیں کچھ فیصلہ ہو جائیگا

آنسوؤں کیساتھ آہِ سرد کی جھونکیں بھی ہیں
دشتِ غربت آج کوسوں تک ہرا ہو جائیگا

سر بسجدہ ہیں ترے قدموں پہ دامن اور زلف
میں بھی اپنا سر جھکا لوں گا تو کیا ہو جائیگا

بل مری تقدیر میں پڑ کر نکل سکتا نہیں
آپ کا گیسو تو پھر آراستہ ہو جائے گا!

ہمرہِ موسیٰ پہنچتے اور لاکھوں طور پہ
تھا یقیں کس کو کہ تو جلوہ نما ہو جائیگا

اپنے گھر، بزمِ عدو میں، حشر میں، یا فردوس میں
تم جہاں مل جاؤ گے وعدہ وفا ہو جائیگا

برچھیاں تانے ہوئے آتا ہی جلووں کی کوئی
اے دلِ بے صبر اب وعدہ وفا ہو جائیگا

تازہ پھولوں سے نہ چھاؤ مدفنِ تاریک کو
مجھ کو دھوکا اپنی شامِ وصل کا ہو جائیگا!

اب قیامت آنے والی ہے کئے جا آجکل
آجکل کا آجکل میں فیصلہ ہو جائیگا

آرزو ہی آرزو ہے حاصلِ عہدِ شباب
آرزو ہی آرزو میں فیصلہ ہو جائیگا

مختصر ہے قصۂ غم آج اے منظرؔ مگر!
یہ بھی آخر ایکدن افسانہ ہو جائے گا

(منظرؔ صدیقی سیمابی)

(۵)

جو ستم کشوں کا مدفن سرِ رہگذار ہوتا !!! اسی طرح تا قیامت غمِ انتظار ہوتا
مرے تن کا ذرہ ذرہ دلِ بے قرار ہوتا جو وہ جور آشنا بھی مرا غمگسار ہوتا
شبِ غم زباں سے یارب کبھی وہ صدا نہ نکلی جسے سُن کے خوابگہ میں کوئی بیقرار ہوتا
ہے فروغِ ماہ شب بھر ہے بہار باغ دو دن تیری دوستی پہ کیونکر مجھے اعتبار ہوتا
مرا دل غنی نہ ہوتا کبھی دولتِ جہاں سے ترے غم میں میرا دامن جو نہ تار تار ہوتا
اسے رائیگاں نہ سمجھو یہ نفس عجیب شے ہے تب و تابِ عشق رکھتے تو یہی شرار ہوتا
کوئی ڈھیر دیکھ پایا جو خضر نے اس گلی میں تو کہا کہ کاش یارب یہ مرا مزار ہوتا !!
غمِ عشق وہ بلا ہے کہ جو مہر و مہ نہ ہوتے تو فلک پہ شعلہ بن کر یہ غم آشکار ہوتا
غمِ ہجر میں بھی آتا مجھے لطف زندگی کا مئے خوشگوار ہوتی لبِ جوئبار ہوتا !
ترے غم میں جان دیدی تو یہ کونسی خطا کی کسی در پہ سر جھکاتا تو گنہگار ہوتا
مرا خونچکاں فسانہ اگر ایک بار سنتا کوئی دہر میں سکوں کا نہ امیدوار ہوتا

جو نظیر اس کے دل میں نہ خدا نے رحم ڈالا
تو مجھے ہی اپنے دل پہ کوئی اختیار ہوتا

(خاں اصغر حسین نظیر لدھیانوی)

دارالسلطنت لاہور میں

اب کی دفعہ بہت معقول انتظام کیا گیا ہے:-

صاحبان عظام!۔ اس سال بہت کوشش کیساتھ تمام نادر اور کمیاب اجزا کافی سے زیادہ مقدار میں فراہم کر کے نہایت زود اثر ماء اللحم کی تیاری کا بندوبست کیا گیا ہے۔ چنانچہ عام شائقین کو اطلاع دیجاتی ہے۔ کہ ماء اللحم بہ نسخہ خاص سہ آتشہ کافی مقدار میں تازہ تیار ہے۔ لہٰذا جس قدر چاہیں منگوائیں۔ اور استعمال کر کے لطف زندگی اٹھائیں۔ جو اصحاب دواخانہ ہذا کی دیانتداری و صداقت سے واقف ہیں ان سے کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ البتہ جن لوگوں کو ابتک اسکا تجربہ نہیں ہے ان سے صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ یہ ماء اللحم موسم سرما کا خاص تحفہ ہے۔ یہ امر تو مسلّم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے۔ جسمیں قوت و توانائی پیدا کر کے چستی و پھرتی پیدا کرتا۔ غذا کو جزو بدن بناتا۔ بھوک لگاتا۔ رنگ نکھارتا۔ روح کو تازگی اور دل کو فرحت بخشتا ہے۔ پژمردہ دلوں میں شگفتگی۔ طبیعت میں ولولہ اور فطرتی اُمنگ پیدا کرتا۔ بلکہ وہ قوتیں دیتا ہے۔ جو تجربہ ہی پر موقوف ہے۔ اور جن کے اظہار سے تہذیب مانع ہے۔ اس کا خاصہ ہے۔ لیکن ہمارا ماء اللحم خصوصیت کیساتھ ان اوصاف سے متصف ہے۔ کیونکہ اسکا نسخہ کوئی معمولی نسخہ نہیں ہے۔ پوری خوبیاں تو تجربہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس کی مفصل افعال و خواص ملاحظہ فرمانے ہوں۔ تو قدیمی دواخانہ ہذا کی مکمل فہرست معہ جنتری جسمیں سات سو سے زیادہ ہر قسم کی نیز بہدف مجربات درج ہیں۔ جو ایک کارڈ آنے پر مفت ارسال خدمت ہوگی۔ ملاحظہ فرماویں بغرض علم فائدہ رسانی باوجود اس قدر خوبیوں کے قیمت سہ آتشہ صرف پانچ روپیہ رکھی ہے۔ دو آتشہ تین روپے۔ ایک آتشہ دو روپیہ۔ حکیم اور دکاندار صاحبان کے لئے خاص رعایت ہے۔

موسم سرما میں زود اثر اور مقوی دوا اکسیر تاج قیمتی و اصلی ادویات سے تیار شدہ دواخانہ ہذا کا مایہ ناز

لبوب کبیر قسم اوّل کی مقوی باہ و اعصاب ہے۔ بدن کو فربہ کرتا ہے۔ مادہ تولید اور خون صالح پیدا کر کے اعضاء رئیسہ کو قوت دیتا ہے۔ دل اور دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ خوراک ۶ ماشہ ہمراہ ماء اللحم مذکور۔ قیمت دس تولہ (عہ)۔

المشتہر

مینیجر مشہور مستند قدیمی دواخانہ یونانی دہلی۔ بازار چھتی ہٹہ لاہور۔ پنجاب

ہمارا نصف قیمت کا رعایتی اعلان

میعاد رعایت ۳۱ دسمبر ۱۹۲۵ء تک

مندرجہ ذیل کتب ہندوستان کے بہترین دل و دماغ کا نچوڑ ہیں۔ اس لئے خریداری جلد فرمایئے۔ اس اشتہار میں قیمتیں پوری لکھی گئی ہیں۔ بوقت آرڈر نصف شمار کریں گے۔ جو صاحب کل قیمت بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں گے ان کو محصول ڈاک معاف ہوگا۔ جو کتاب ختم ہو گی۔ اسکے لئے روانگی کی مجبوری نہ ہوگی۔ میعاد ختم ہونے کے بعد پوری قیمت لیجاوے گی۔ ایک روپیہ سے کم قیمت کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوگی۔ دو روپیہ سے زیادہ فرمائش پر فوٹو مولوی ظفر علیخان صاحب مفت۔ پانچ روپے سے زیادہ پر اسلامی رنگین قطعہ مفت۔ رسالہ کا حوالہ ضرور دیں۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ ہر کتاب کی لکھائی۔ چھپائی۔ کاغذ عمدہ ہے۔ اگر کسی کتاب کی ضرورت نہ ہو تو مکمل فہرست مفت منگائیں۔ اپنا پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرمادیں ٭

تصنیفات مولانا شبلی مرحوم

- الفاروق قیمت …… عہ
- الغزالی …… عہ
- سفرنامہ روم و مصر و شام …… عہ
- اورنگ زیب عالمگیر …… ۸ر
- حیات حافظ قیمت …… ۸ر
- حیات سعدی …… ۸ر
- حیات خسرو …… ۸ر
- مجموعہ کلام شبلی …… ۱۲ر
- اسلامی مدارس …… ۸ر
- رسائل شبلی …… عہ
- المامون قیمت …… عہ
- سیرۃ النعمان …… عہ
- سوانح مولانا روم …… عہ
- مکالمات شبلی …… عہ
- برگ گل قیمت …… ۴ر
- بوئے گل …… ۴ر
- دستۂ گل …… ۴ر
- بیان خسرو …… ۱۰ر
- آغاز اسلام …… ۱۰ر
- مثنوی صبح امید …… ۴ر

تصنیفات مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

- الہریت فی الاسلام …… ۱۲ر
- خطبۂ صدارت …… ۴ر
- حیات صداقت …… ۴ر
- تذکرۂ شہادت …… ۳ر
- بیان حریت …… ۳ر
- دعوت حق …… ۴ر
- القول المتین فی تفسیر سورۃ والتین …… ۸ر
- خون شہادت کے دو قطرے …… ۴ر

تصنیفات مولانا حالی مرحوم و مغفور

- شکوۂ ہند …… ۳ر
- رحم و انصاف …… ۲ر
- بیوہ کی مناجات …… ۲ر
- مومن حالی …… ۲ر
- مسدس حالی مع مکمل سوانح عمری قیمت …… ۱۲ر
- کلیات نظم حالی حصہ اول قیمت …… عہ
- مسدس ترکیب سنت …… ۲ر
- تعصب و انصاف …… ۲ر
- چپ کی داد …… ۲ر
- مجموعہ نظم حالی قسم اول …… عہ

بہترین علمی اخلاقی ناول

- تماشہ گاہ عالم …… عہ
- حق بحقدار …… للعہ
- قصر دریا …… عہ
- ابومسلم خراسانی …… عہ
- معشوقۂ فرانس …… عہ
- مروم و صال …… عہ
- سپاہی کی دلہن …… عہ
- بیاسے دمشق …… عہ
- مغربی دلہن …… عہ
- ہوشربا نازنین …… عہ
- حسن کی کرشمہ سازیاں …… عہ
- محبوبۂ فرنگ …… عہ
- فلسفۂ محبت …… عہ
- اسیفو یا مہدی …… ۹ر
- پارسی لیڈی …… عہ

بہترین قومی نظموں کا مجموعہ

- جذبات حریت …… ۸ر
- مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات …… ۱ر
- شکوۂ مسلم …… ۱ر
- پیغام …… ۱ر
- شمع مسلم …… ۲ر
- موعظۂ رسول …… ۲ر
- چاند کا سہرا …… ۴ر
- فیضی شاعر …… ۸ر
- زہر عشق قیمت مشہور …… عہ
- مومن شکوہ …… ۲ر
- سحر حلال …… ۲ر
- تصویر یاس …… ۴ر
- عقدہ شکوہ …… ۴ر
- فریاد یتیم قیمت …… ۴ر
- بزم فانی …… ۲ر

(درمیانی کالم)

- آئینہ صداقت …… ۲ر
- عنوان مسلم قیمت …… ۱۰ر
- رباعیات انیس و دبیر …… ۴ر
- خوب سے خوب تر …… ۳ر
- جام کوثر قیمت …… ۴ر
- گلدستۂ عید …… ۱۲ر
- تحفۂ بہشتی …… ۶ر
- موج کوثر …… ۴ر
- آئینۂ اسلام قیمت …… ۱۲ر
- بزم …… ۸ر

اسلامی اردو نظمیں۔ رنگین مہری پالش والے وطیات ۲۰ قسم مضمون ۱۲ قسم ڈیزائن بڑا ۸ر چھوٹا ۳ر مگر ۲۰ دسمبر تک کل سیٹ خریدنے والے کو نصف قیمت پر دستیاب ہوں گے ٭

- قومی گیت قیمت …… عہ
- جذبات اسلام …… ۸ر
- ترجمۂ …… عہ

اسکے علاوہ دیگر جس قسم کی کتب طلب فرمائیں ان کو ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جاویگا۔ مگر نہایت ان کی نقد قیمت ۵ روپے ہو ٭

- بزم …… ۲ر
- بزم راحت …… ۸ر
- بزم نشاط قیمت …… ۸ر
- مجموعہ لطائف …… ۴ر
- عقد منتخب لطائف …… ۴ر
- عمرانی گھروں …… ۳ر
- دنیا جفا کی آزمائش …… ۳ر
- شکیلہ بیگم …… ۴ر
- ثریا بیگم قیمت …… ۴ر
- دستور العمل …… ۸ر
- زلازل ہند …… عہ

تصنیفات خان احمد حسین خانصاحب

- گنبد خضریٰ قیمت …… ۲ر
- سرمۂ حیرت …… عہ
- مکالمات عملی …… عہ
- آئینۂ روزگار …… عہ
- گلبدن عرف سوز …… عہ
- دوخوبصورت بہنیں …… ۶ر
- پارۂ دل یادگار مرحوم …… ۴ر
- شمع شبستان …… ۱۲ر
- واہ …… عہ
- آہ …… حسرت …… عہ
- گیتی آرا …… عہ
- شمع سحر …… عہ
- …… عہ
- نظیر بیگم …… عہ

تصنیفات مولانا عبدالحلیم صاحب شرر

- صبح کی دیوی برگزیدہ …… ۴ر
- حسن بن صباح …… ۴ر
- فردوس بریں …… ۱۲ر
- منصور موہنا …… ۱۲ر
- ایام عرب …… ۱۰ر
- ملک العزیز ورجینا …… ۱۲ر
- دلچسپ …… عہ
- تاریخ بغداد …… ۹ر
- حسن انجلینا …… ۱۲ر
- ملکہ زنوبیہ قیمت …… ۳ر

تصنیفات مولوی ظفر علیخانصاحب

- ارکان الاسلام …… عہ
- جنگل میں منگل …… عہ
- معاشرت …… ۸ر
- جنگ روس و جاپان …… عہ
- فلسفۂ ابن سینا …… ۶ر
- اپریل فول …… ۸ر

تصنیفات سر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب

- شکوۂ اقبال …… عہ
- جواب شکوہ …… ۴ر
- ہلالیہ …… ۴ر
- تصویر درد …… ۴ر
- فریاد امت …… ۳ر
- شمع شاعر …… ۳ر

مشہور لوگوں کی علمی کتابیں

- فلسفۂ اجتماعی …… ۴ر
- حالات زمین …… ۹ر
- اسلام کی خوبیاں …… ۴ر
- …… ۱۲ر
- قال اللہ …… ۵ر
- تربیت اولاد …… ۴ر
- پنجاب کی سوغات …… ۳ر
- نیوٹن فرنگ …… ۴ر
- ترکوں کے کمالات …… ۴ر
- بیگم اسلام …… ۳ر
- الفاظ …… ۳ر
- سعیدہ خاتون …… عہ
- کتاب عقائد …… ۲ر
- کنوز الآخرت …… ۳ر
- معراج نامہ …… ۴ر
- گذرا ہوا زمانہ …… ۱ر
- ساوات …… ۱ر
- احسان عام …… ۲ر
- آئینۂ جمہوریت …… ۴ر
- میکفرن اور روسی …… ۲ر
- ابراہیم اور زبیدہ …… ۲ر
- حسن و محبت …… ۸ر
- جمیلہ خاتون …… ۴ر
- ڈولا بیٹا …… ۴ر
- عہدی نامہ …… ۴ر
- معین الحوائج …… ۸ر
- خورشید …… عہ
- مجموعہ ظرافت …… ۳ر
- راہ جنت …… ۴ر
- وفاں دیوی …… ۴ر
- دیال جالی …… ۴ر
- پہیلی نامہ …… ۸ر
- رنگ و راحت …… ۴ر
- بہشتی جوہر …… ۱۲ر

ملنے کا پتہ۔ حافظ قمرالدین اینڈ سنز تاجران کتب اندرون چیدارہ کوچہ چابک سواراں لاہور

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

کتب قابلِ دید — ضرور پڑھئے — کتب قابل دید

مندرجہ ذیل کتب نہایت دلچسپ سبق آموز اور قابل مطالعہ ہیں۔

دُرِّ شہوار مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی بہترین تصنیف قیمت ۱۰/

شہید وفا مولنا عبد الحلیم شرر کا ایک شہرہ آفاق ناول قیمت ۱۲/

خالدہ خانم باتصویر مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب ایڈیٹر عالمگیر قیمت ۱۲/

جنگ بلقان جنگ بلقان کے خونریز مناظر ترکوں کی ضرب المثل بہادری حفظ ناموس الٰہی میں دلیرانہ سرفروشی غازی انور پاشا کے تعجب خیز کارنامے عشق و محبت کے عجیب واقعات قابل دید کتاب قیمت ۸/

فتح قسطنطنیہ حافظ محمد عالم صاحب ایڈیٹر رسالہ عالمگیر کی تصنیف قیمت ۸/

قطرات اشک مصنفہ مصورِ غم علامہ راشد الخیری قیمت ۸/

زنانہ حاضر جوابیاں جنس لطیف کی ذہانت طباعی کے بہترین نمونے قیمت ۶/

محمود شوکت پاشا (باتصویر) ٹرکی کے ایک جلیل القدر قائد کے کارنامے قیمت ۸/

روایات اسلامی مختلف شعرا کی قومی نظموں کا مجموعہ قیمت ۶/

تذکرہ آب بقا دہلی اور لکھنؤ کے گذشتہ اور موجودہ شعرا کے سوانح حالات و چیدہ کلام قیمت ۸/

فلورا فلورنڈا مصنفہ مولنا عبد الحلیم شرر قیمت ۸/

حسن انجلینا مصنفہ مولنا عبد الحلیم شرر قیمت ۸/ بدر النسا کی مصیبت ۳/

یوسف پاشا مجاہدین اسلام اور مسیحوں کی معرکہ آرائیاں عشق و محبت کے دلچسپ واقعات مصنفہ میر ارشد دہلوی قیمت ۸/

انور پاشا بکڈپو حلقہ ۲ لاہور

سوانح عمریاں

پیغمبر عالم یا سوانح عمری سرور دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسلامی اخبارات نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ حضور رسول خدا کے حالات زندگی پر یہ نہایت بہترین کتاب ہے کسی مسلمان کا گھر اس سے خالی نہیں رہنا چاہیے کاغذ سفید عمدہ کتابت و طباعت دلفریب قیمت [illegible]

الفاروق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہایت معتبر دستند سوانح عمری [illegible] ام خلافت ۔ فتوحات عراق و شام و ایران جنگی حالات آپکی سادگی حلم و تواضع علم و فضل کی مکمل داستان مصنفہ مولانا شبلی [illegible]

المامون مامون الرشید کے عہد میں اسلام اپنے عروج و اقبال کے کیسے کیسے جانفزا نظارے دکھا چکا ہے حسن انتظام رواداری اسلامی سطوت کی شان دار مثالیں زیادہ خلافت رشیدہ کے نام سے موسوم ہونیکا کیوں مستحق ہوا مصنفہ علامہ شبلی قیمت [illegible]

خالد بن ولید مسلمانوں کے مشہور سپہ سالار حضرت سیف اللہ کے حالات ۔ تاریخ اسلام کے پر جوش اور باحمیت کارناموں کی شاندار کیفیت ضرور منگا کر دیکھئے قیمت [illegible]

ظہور امام مہدی انقلاب موجودہ و آئندہ کے سنسنی خیز حالات و واقعات کے علاوہ تقریباً دو سو معجزات نبویہ و مسایل درج ہیں ۔ اس کتاب کے پڑھنے سے تمام حالات سے واقفیت ہوجاتی ہے ۔ یعنی قیامت کا ظہور کب ہوگا ۔ قیمت [illegible]

ابو مسلم خراسانی علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال قاہرہ مصر کے ایک بہترین ناول کا ترجمہ ہے جسمیں اسلامی تاریخ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے عشق و محبت کے دلدوز واقعات نے کتاب کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے ضرور منگا کر ملاحظہ کریں ۔ قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ ۔ انور پاشا بکڈپو حلقہ ۱۲ لاہور